"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی"

ماہنامہ خالد

ایڈیٹر
خالد مسعود

مئی ۱۹۸۲

ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

استبقوا الخیرات

"تیری عاجزانہ راہیں اُس کو پسند آئیں"

"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہوسکتی"

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ ربوہ

خالد

جلد ۲۹ شمارہ ۷

ہجرت ۱۳۶۱ ہش مئی ۱۹۸۲ء

ایڈیٹر

خالد مسعود، ایم اے

نائبین

منصور احمد عارف ٭ محمود احمد اشرف

پبلشر: مبارک احمد خالد ٭ پرنٹر: سید عبدالحی ٭ مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ ٭

مقامِ اشاعت: دفتر ماہنامہ "خالد" دارالصدر جنوبی ربوہ ٭ قیمت: سالانہ پندرہ روپے۔ فی پرچہ ایک روپیہ پچاس پیسے

کتابت: نورالدین خوشنویس، دارالعلوم غربی ربوہ ٭ رجسٹرڈ نمبر ایل: ۵۸۳۰ ٭

خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ

(مکرم مولانا غلام باری صاحب سیف)

ابوعبدالرحمٰنؓ سے روایت ہے، وہ حضرت عثمان رضؓ بن عفّان سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے بہتر وہ ہے جس نے قرآن خود سیکھا پھر لوگوں کو سکھایا۔ ابوعبدالرحمٰن کہتے ہیں اسی حدیث نے مجھے یہاں بٹھایا ہے۔ چنانچہ ابوعبدالرحمٰن نے عثمانؓ کے زمانہ سے تدریسِ قرآن کا سلسلہ شروع کیا اور پھر حجاج بن یوسف کے زمانہ تک اسے جاری رکھا۔ یہ مدّت اگر حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آغاز سے شمار کریں تو تین ماہ کم بہتّر سال بنتی ہے اور اگر ان کے زمانہ کے آخر سے شمار کریں تو اڑتیس سال۔ یہ حدیث اِن الفاظ میں بھی مروی ہے:۔

خَيْرُكُمْ وَاَفْضَلُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ۔

تم میں سے بہتر اور افضل وہ ہے جس نے قرآن خود سیکھا اور لوگوں کو سکھایا۔

اسی باب میں یہی الفاظ حضرت علیؓ سے بھی مروی ہیں:۔

عَنْ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ۔

یہ حدیث مختلف اسناد اور طرق سے اس باب میں وارد ہوئی ہے۔

قرآن خدائے لم یزل کی آخری اور کامل شریعت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اسکے نزول کی ابتداء ماہِ رمضان میں ہوئی۔ خدا کی یہ وحی تیئیس ۲۳ سال تک نازل ہوتی رہی تا آنکہ حجۃ الوداع کے موقع پر خدائے قدّوس نے اپنے نبی پر یہ وحی نازل فرمائی۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ۔ یہ ایسا عظیم الشان اور تاریخی اعلان تھا کہ جس کے نزول پر مخالفین نے بھی رشک کیا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک یہودی نے حضرت عمرؓ سے کہا۔ یہ آیت اگر ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید مناتے۔ سیدنا عمر فاروقؓ نے جواب دیا ہمارے لئے وہ دن عید سے کم نہیں تھا۔ مجھے پتہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کس موقعہ پر اور کہاں یہ اعلان کیا تھا۔

یہ وہ کتاب ہے جس کی بلاغت کے سامنے عرب

کی فصاحت و بلاغت ماند پڑ گئی - یہ وہ اعجاز تھا جس کی
نظیر لانے سے دُنیا عاجز ہو گئی اور زبانیں گنگ - اس کتاب
کی تاثیر سے دلوں کی صلابت کافور ہوئی - اس پر عمل کے
نتیجہ میں ابوبکرؓ پیدا ہوئے، عمرؓ فاروق بنے، عثمان غنیؓ
در مولا کے فقیر ہوئے، اس کی تلاوت سے لوگوں کو
دیدہ تر نصیب ہوئی، اس کتاب کے نزول کے بعد
راتوں کے چلنے والوں نے حُدی چھوڑ دی اور اس کی
تلاوت کرنے لگ گئے - اس کا مزہ چکھا تو مے خواروں
نے مَے کے مٹکے توڑ دیئے اور سرنگیوں اور مزامیر کے والاو
شیدا تہجد میں اس کی قرأت سے لطف اندوز ہونے
لگے - تہی دامنوں نے اس کے موتیوں سے اپنی جھولیاں
بھر لیں - مامورِ زمانہ فرماتے ہیں ؎

نَهَبَ اللِّئَامُ نُشُوْبَهُمْ وَعِقَارَهُمْ
فَتَهَلَّلُوْا بِجَوَاهِرِ الْفُرْقَانِ

اِس کتاب کے عجائبات اُس کی زبانِ مبارک سے
سُنیئے جس پر یہ نازل ہوئی تھی - حضرت علیؓ سے روایت ہے
کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سُنو! ایک
فتنہ برپا ہوگا"۔ حضرت علیؓ نے عرض کی یا رسول اللہؐ!
اس فتنہ سے نکلنے کی کیا راہ ہے؟ فرمایا "خدا کی کتاب کہ
اس میں پہلوں کی بھی خبر ہے اور آئندہ جو ہوگا اُس کی
بھی نشاندہی کر دی گئی ہے - یہ تمہارے درمیان قاضی ہے
اور یہ خدا کا کلام حق و باطل میں فیصلہ کُن ہے - اس میں
کوئی غیر سنجیدہ بات نہیں - جس نے تکبّر کی وجہ سے
اسے چھوڑا، اس سے مُنہ موڑا خدا کا قہر اس پر ٹوٹے گا
جس نے راہنمائی اس کے سوا کسی اَور سے چاہی اسے خدا
گمراہ کرے گا - یہ قرآن خدا کی مضبوط رسّی ہے اس کے
ذریعہ خدا تک پہنچا جا سکتا ہے - یہ پُر حکمت وعظ و
تذکیر ہے اور یہ خدا کی سیدھی راہ ہے - یہ وہ کلام ہے
جسے خواہشات کے بندے تبدیل نہیں کر سکتے - نہ اپنی
چرب زبانی سے اس میں اشتباہ پیدا کر سکتے ہیں علماء
اس کا احاطہ نہیں کر سکتے، وہ اس کے معارف سے کبھی
سیر نہیں ہو سکتے، اس کے مطالعہ سے اُن کی تشنگی اور
بڑھتی ہے - اس کے معارف کبھی بوسیدہ نہیں ہونگے -
اور اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوں گے - (ترمذی
باب ماجاء فی فضل القرآن)

حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسولِ
خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ مومن جو قرآن پڑھتا
ہے اس کی مثال لیموں کی ہے کہ اس کی خوشبو بھی اچھی
اور ذائقہ بھی اچھا اور اس مومن کی مثال جو قرآن نہیں
پڑھتا کھجور کی ہے کہ خوشبو تو کچھ نہیں ذائقہ میٹھا ہے۔
اور منافق جو قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال ریحان کی ہے
کہ خوشبو اچھی ذائقہ تلخ ہے - اور منافق جو قرآن نہیں
پڑھتا اس کی مثال حنظل کی ہے نہ خوشبو اچھی نہ ذائقہ
ٹھیک - (ترمذی)

حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ قرآن کے
ہر حرف پر دس نیکیوں کا ثواب ہے! اور یہاں حرف
کہا ہے لفظ نہیں - الحمد ایک لفظ ہے جس میں
پانچ حروف ہیں -

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا - صاحبِ قرآن قیامت کے دن خدا کے

سامنے پیش کیا جائے گا تو قرآن کہے گا۔ اے پروردگار اس کے سر پر کرامت کا تاج رکھ۔ پھر کہے گا اے پروردگار اس پر اور انعام نازل فرما۔ اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ اُسے کرامت کی خلعت پہنائے گا۔ پھر قرآن کہے گا کہ پروردگارِ عالم! اسے اپنی رضا عطا فرما۔ تب خالق دو جہاں اُس شخص کو اپنی رضا عطا کرے گا۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ الَّذِیْ لَیْسَ فِیْ جَوْفِہٖ شَیْءٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ کَالْبَیْتِ الْخَرَابِ۔ کہ وہ شخص جس کے اندر قرآن میں سے کچھ بھی نہیں وہ برباد شدہ یعنی کھنڈر گھر کی طرح ہے۔

حدیث کے الفاظ ہماری اس طرف بھی راہنمائی کرتے ہیں کہ پیشتر اس کے کہ تم قرآن کے معلم بنو پہلے تمہیں اسے خود سیکھنا اور سمجھنا ہوگا۔ تعلّم کے معنے سیکھنے کے ہیں اور علّم کے معنے سکھانے کے ہیں۔ چنانچہ محسن اُمت امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب کے آغاز میں ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے اَلْعِلْمُ قَبْلَ الْعَمَلِ کہ عمل سے پہلے علم حاصل کرو تا تمہارے قدم صحیح سمت اُٹھ سکیں۔ اس باب کے نیچے استدلال کے لئے امام صاحب قرآن مجید کی آیت لائے ہیں۔ فَاعْلَمْ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ کہ اس بات کا علم حاصل کرو اور یہ جان لو کہ خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ امام صاحبؒ کہتے ہیں کہ اس آیت میں پہلے خود سیکھنے کا ارشاد ہے۔ باب میں امام صاحبؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے کہ اِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ کہ علم سیکھنے سے ہی آتا ہے۔ جو شاگرد نہیں بنا وہ استاد کیسے بن سکتا ہے۔

پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جب سریر آرائے خلافت ہوئے تو انہوں نے ابوبکر بن حزم کو یہ تحریری فرمان بھیجا کہ مجھے علم کے مٹ جانے کا خطرہ ہے اس لئے علم کو عام کرو، حلقہ ہائے تدریس قائم کرو اور ہر کس و ناکس تک علم پہنچاؤ کہ علم محدود اور مخفی ہو جائے تو علم مٹ جاتا ہے۔ (بخاری باب کیف یقبض العلم)

دوسرا سبب علم کی ہلاکت کا۔ بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مروی ہے کہ علم اُٹھ جاتا ہے علماء کے اُٹھ جانے سے کہ جب حقیقی علماء نہیں رہتے تو لوگ جُہّال کو اپنا راہنما بنا لیتے ہیں۔ لوگوں کے استفسار پر وہ بغیر علم کے مسائل بیان کرتے ہیں۔ اس طرح وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور لوگوں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ (بخاری کیف یقبض العلم)

اور قرآن کے علم کو اس لئے حاصل کرنا چاہیئے کہ اس کے ذریعہ اصلاح نفس ہو، جہادِ کبیر ہو۔ نہ کہ اس کی غرض علماء سے مقابلہ و مکابرہ اور جُہّال سے مجادلہ ہو یا دُنیوی شہرت ہو۔ حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ جو علم اس لئے حاصل کرتا ہے کہ وہ علماء سے مقابلہ کرے یا سفہاء سے مجادلہ کرے یا لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کر سکے۔ فرمایا اللہ ایسے آدمی کو آگ میں داخل کرے گا۔ (ترمذی ابواب العلم)

عمران بن حُصین ایک قاری کے پاس سے گزرے

جو قرآن پڑھ کر لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرتا
تھا۔ انہوں نے دیکھا تو کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔
(ترمذی ابواب فضائل القرآن)

یہ تو یَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا کے مترادف
ہے۔ مَیں جب کسی کو قرآن پڑھ کر بھیک مانگتے دیکھتا ہوں
تو مجھے یہ ارشادِ رسولؐ یاد آجاتا ہے۔ حضرت عبداللہ
بن مبارک کا قول ہے کہ سفلہ ہے وہ جو دینی علوم کو
معاش کا ذریعہ بناتا ہے۔

اور قرآن کی صحیح خدمت یہ ہے کہ اس پر عمل کیا
جائے۔ صرف اس کے حروف کو وردِ زبان نہ بنایئے،
اس کے چھلکے سے چمٹے نہ رہیئے، اس کے مغز کو حاصل
کیجئے۔ حضرت اقدس نے مولانا روم کا یہ شعر کئی جگہ
استعمال کیا ہے کہ دنیا کے لئے مَیں نے مغز کو اٹھا رکھا
اور ہڈیاں کتوں کے سامنے پھینک دیں ؎

مغز را بہرِ جہاں برداشتم
استخواں پیشِ سگاں انداختم

حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے۔ کہ وہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، حضورؐ نے
آسمان کی طرف نگاہ بلند کی اور فرمایا۔ وقت آئے گا
کہ لوگوں سے علم چھین لیا جائے گا۔ اس پر زیاد بن
لبید انصاری نے کہا۔ علم کس طرح اٹھا لیا جائے گا؟
ہم نے قرآن پڑھا ہے، اس کو خود پڑھیں گے، آگے
دوسروں کو پڑھائیں گے، اپنی عورتوں اور بچوں کو
پڑھائیں گے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
اے زیاد! تیری ماں تجھے روئے۔ مَیں تو تجھے مدینہ کے
دانشمند لوگوں سے سمجھتا تھا۔ یہ دیکھو یہود و نصاریٰ
کے پاس توریت و انجیل موجود ہے، یہ ان کو کیا فائدہ
دے رہی ہے۔ یہ اس کے حروف سے چمٹے ہوئے
ہیں۔ فرمایا جب خشوع چلا جائے گا علم جاتا رہے گا۔

پس علم اُس وقت علم ہے جب وہ رُوح کو
گداز کر دے، دل کو خشوع و خضوع عطا کر دے۔

زرارہ بن اوفیٰ قاضی بصرہ نے جب قرآن کی یہ آیت
صبح کی نماز میں تلاوت کی فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ
فَذٰلِکَ یَوْمَئِذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ۔ جس دن بگل میں پھونکا
جائے گا وہ دن بہت سخت ہوگا۔ تو بیہوش ہو کر گر گئے
اور رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

سیدنا عمر فاروقؓ نے جب سورۃ طُور کی یہ
آیات سُنیں اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ مَّا لَہٗ
مِنْ دَافِعٍ کہ تیرے رب کا عذاب آنے والا ہے اور
کسی کو اس کے ہٹانے کی طاقت نہیں، تو غش کھا کر
جا پڑے اور کئی روز تک طبیعت پر اس کا اثر رہا۔

حضور اقدس جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے
فرماتے ہیں :-

"تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم
یہ ہے کہ قرآن شریف کو مہجور کی طرح
نہ چھوڑو کہ تمہاری اسی میں زندگی
ہے۔ جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے
وہ آسمان پر عزت پائیں گے جو لوگ
ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن
کو مقدم رکھیں گے اُن کو آسمان پر مقدم

رکھا جائے گا۔ نوعِ انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن۔ اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم۔"

(کشتی نوح صفحہ ۲۰-۲۱)

اسی کتاب میں دوسرے مقام پر فرمایا:۔

"خدا نے مخاطب کر کے فرمایا کہ اَلْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی الْقُرْاٰنِ کہ تمام قسم کی بھلائیاں قرآن میں ہیں۔ یہی بات سچ ہے۔ افسوس اُن لوگوں پر جو کسی اور چیز کو اس پر مقدم رکھتے ہیں۔ تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے۔ کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی تمہارے ایمان کا مصدق یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے اور بجز قرآن کے آسمان کے نیچے اور کوئی کتاب نہیں جو بلاواسطہ قرآن تمہیں ہدایت دے سکے۔ خدا نے تم پر بہت احسان کیا ہے جو قرآن جیسی کتاب تمہیں عنایت کی۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ کتاب جو تم پر پڑھی گئی اگر عیسائیوں پر پڑھی جاتی تو وہ ہلاک نہ ہوتے۔"

قرآن کی تاثیر کا ذکر یوں فرماتے ہیں:۔

"قرآن ایک ہفتہ میں انسان کو پاک کر سکتا ہے اگر صوری یا معنوی اعراض نہ ہو۔ قرآن تم کو نبیوں کی طرح کر سکتا ہے اگر تم اس سے نہ بھاگو۔!"

آج ہر بوالہوس اپنے میلانِ طبع کے بموجب اپنے مقصود کے حصول کی خاطر اپنے محبوب کا طواف کر رہا ہے۔ درہم و دینار کا پرستار دولت کا طواف کرتا ہے۔ اس کی ساری تگ و تاز حصولِ دولت کی خاطر ہے۔ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا۔ لیکن حضرت اقدس ..... کا مقصود و مطلوب وہ ذاتِ ازلی تھی۔ اُن کا محبوب حبیبِ کبریا ؐ تھا۔ وہ فنا فی الرسول تھے اور اُن کا محبوب قرآن تھا۔ محب اپنے محبوب کا طواف کرتا ہے۔ میرے آقا فرماتے ہیں ؎

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے

لوگوں کو مہر و ماہ میں جمال نظر آتا ہے تو اُسے پیکرِ جمال سمجھتے ہیں حالانکہ وہ مظہرِ جمال ہے لیکن میرے آقا کا چاند یہ قرآن تھا۔ آپ فرماتے ہیں ؎

جمال و حُسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اَوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

پس اے خدامِ احمدیت!

قرآن کو ہاتھوں میں تھام لو! اس کو سینوں میں بسا لو۔ کہ آج کے جہاد میں تمہارا ہتھیار یہی ہے۔ یہی عصائے موسیٰ ہے جس سے باطل کا طلسم

پاش پاش ہوگا۔ یہی دمِ عیسیٰ ہے جس
سے پھر مُردے زندہ ہوں گے۔ تم اِس
کو عزت دو، یہ تمہیں دُنیا میں سرفرازی
بخشے گا اور قیامت کے دن تمہارا شفیع
یہی ہوگا۔ تم اِس کو اپنے سروں پر
سجا لو۔ قیامت کے دن خدا سے تمہارے
لئے کرامت کا تاج اور شرف کی خلعت
مانگے گا۔ آئیے حضرت مصلح موعود کے
ہم زبان ہوکر خدائے ذوالجلال والاکرام
سے دُعا کریں ؎

ایمان مجھ کو دے دے عرفان مجھ کو دے دے
قربان جاؤں تیرے قرآن مجھ کو دے دے

محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

(محترم صاحبزادہ مرزا فرید احمد صاحب نائب صدر خدام الاحمدیہ مرکزیہ)

مجھ سے کہا گیا ہے کہ میں اُس انسانؐ کے احسانات کا ذکر کر کے اِس ثواب میں شامل ہوں جو ثواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درُود بھیج کر اور آپؐ کا ذکر کر کے ملتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات مجھ پر، آپ پر، اُمت پر، انسانیت پر بلکہ خالقِ دوجہاں کی تخلیق کے ہر ذرّہ پر اتنے ہیں، اتنے ہیں کہ کسی طاقت کے بس میں نہیں کہ ان کا ذکر کر سکے۔

آپ یعنی محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم محض عبداللہ کے بیٹے اور آمنہ کے لعل کا نام نہیں، محمدؐ محض اُس شخص کا نام نہیں جو دُنیائے عرب کے ایک گوشہ میں پیدا ہوا، بڑھا پھلا اور دُنیا کی تاریکیوں کو نور میں بدل کر تہذیب کی پستیوں کو رفعتوں میں ڈھال کر ایک انقلابِ عظیم پیدا کر کے دُنیا سے رخصت ہو گیا۔ محمدؐ اس مخلوق خداوند کے مقام کا نام ہے جہاں پر فرشتوں کے پَر جلنے لگ گئے تھے۔ محمدؐ کائنات کے اُس مرکزی نقطہ کا نام ہے جہاں پر خدا تعالیٰ کی تمام صفات منتج ہو گئیں تاکہ خالق کی ہر مخلوق کو پتہ چل جائے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی حقیقت کیا ہے۔

آپؐ کے مقام کی انتہا نہ کوئی جان سکا اور نہ جان سکتا ہے۔

لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ

اے محمدؐ! اگر میں نے تجھے پیدا نہ کرنا ہوتا تو یہ زمین و آسمان ہی پیدا نہ کرتا۔

تو یہ آپؐ کے مقام کی ابتداء ہے اور جس طرح آپؐ کا مقام کسی شخص کی رُوحانی آنکھ نہیں دیکھ سکتی اُسی طرح آپؐ کے احسانات کا اندازہ بھی محدود عقل رکھنے والے اشخاص کی سوچ نہیں کر سکتی۔

جس طرح خدا نے آپؐ کے مقام کا آغاز انسان کو بتایا ہے ویسے ہی آپؐ کے احسانات کی ابتداء بھی سمجھا دی اور کہا۔

اے لہلہاتے ہوئے کھیتو! اے سمندروں کی وسعتو! اے پہاڑوں کی رفعتو! اے مہکتے ہوئے پھولوں کے رنگو! رس ٹپکاتے ہوئے پھلو! اے پیدا کرنے والے کی ہر مخلوق! اور اس کا ہر ذرّہ! اے اشرف المخلوقات سے تعلق رکھنے والے انسانو! تمہاری ہر سوچ، ہر ترقی تمہارے ذہن کی بلندی یہ سب اسی شخص کے وجودِ بابرکت کے طفیل ہے، اس کی وجہ سے ہے سنو! اور غور سے سُنو! اور اِس نکتہ کو سوچو کہ جو کچھ تھا محمدؐ کے احسان کا نتیجہ تھا، جو کچھ ہے محمدؐ کا احسان ہے اور جو کچھ ہوگا محمدؐ ہی کا احسان ہوگا۔

پھر آپؐ کے احسان کے نتیجہ میں معرضِ وجود میں آنے والی نوعِ انسانی آپؐ کے احسان کی بدولت انقلاب و ارتقاء کی منازل طے کرتی ہوئی ایسے مقام پر پہنچی جہاں پر خدا کی تقدیر نے یہ فیصلہ کیا کہ محسنِ انسانیت کا جلوہ کائنات کو دکھائے۔ اپنے حُسن اور احسان کو محمدؐ کے رُوپ میں نازل کرے اور آپؐ کے ذریعہ ہونے والے احسانات کو نوعِ انسانی پر پُوری شدت اور زور سے اور پُورے کمال سے بارش کے قطروں کی طرح اُتارے۔ چنانچہ اِس مقصد کی تکمیل ۱۲ ربیع الاوّل کو آپؐ کی پیدائش سے ہوئی۔

آپؐ جس زمانے میں پیدا ہوئے اور جس علاقہ میں پیدا ہوئے وہ تاریکی اور ظلمت کا ایک ایسا گڑھا تھا جہاں انسانی تصور یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تہذیب و تمدّن نام کی کوئی شے وہاں جنم لے سکتی ہے۔ اُس زمانے میں جو بھی تہذیبیں موجود تھیں وہ نامکمل اور ادھوری تھیں مثلاً قیصر و کسریٰ کی طاقتیں، گو اُن کے پاس جنگی قوت تھی، بلند و بالا عمارات تھیں، خوبصورت باغات تھے، "ظاہراً" مضبوط نظامِ حکومت تھا لیکن باریک بین نگاہ دیکھ سکتی تھی کہ جو نام و نمود نظر آ رہی ہے وہ ظاہری ہے، نظر کا دھوکہ ہے اور عقل کا فریب ہے کیونکہ اُن کی جڑیں کھوکھلی ہیں، اُن کی بُنیادوں کی ہر اینٹ ظلم اور انسانیت کی تذلیل پر رکھی گئی ہے۔

اس وقت محسنِ انسانیت محمّد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے ایک کامل کتاب یعنی قرآن مجید کو نازل فرمایا اور انسانیت پر احسان کرتے ہوئے اس مکمل اور بھرپور مقدس کتاب پر عمل کرنے والی اُمت کو پیدا کیا جس کے نتیجہ میں ایک ایسی تہذیب نے جنم لیا، ایک ایسا تمدّن مرتّب ہوا، جو صرف دُنیائے عرب کے لئے نہیں اور جو صرف اُس زمانے کے انسان کے لئے احسان کا درجہ نہیں رکھتا تھا بلکہ قیامت تک پیدا ہونے والی قوموں اور انسانوں کے لئے مشعلِ راہ بنا۔

اُمتِ مُسلمہ جس کی تہذیب کی نشوونما دُنیا کی ہر تہذیب کی نسبت مکمّل اور بھرپور ہوئی! وہ مکمّل تھی۔ اِس لئے کہ تعلّق باللہ یعنی بندہ کا خدا سے تعلق اپنی انتہاء کو تھا، اور اِن دو بُنیادی تعلقات کی انتہاء کی آمیزش نوعِ انسانی پر احسانِ عظیم بنا اور بنا رہا اور بنا رہے گا۔

وہ انسان کہ جو آگ جلاتا تھا تو اس کے خوف سے اسے خدا سمجھ کر سجدہ ریز ہو جاتا تھا وہ انسان کہ جو مٹّی کی مُورتوں کے آگے پیشانی جھکا دیتا تھا اور چلّا چلّا کر بے جان بُتوں سے عزّت و شوکت کا طالب ہوتا تھا اُس انسان کو جس سے جب خدا نے اُس کا نبی واپس لے لیا تو دل کی تسلی کی خاطر اُسے خدا بنا بیٹھا یا خدا کا بیٹا پکارنے لگا۔

آپؐ نے اُس انسان کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی حقیقت سے آگاہ کیا۔ آپؐ نے اس انسان کو توحید کا وہ راستہ دکھایا جس پر وہ چلا تو حقیقت میں خدا کو پا گیا۔ ہاں ایسا راستہ جس پر قدم پڑے اور جب منزل تک پہنچے تو اس کی آنکھ اپنے خدا کا جلوہ دیکھے۔

وہ انسان توحید پر قائم ہوا، توحید کی عظمت کو سمجھا اور توحید کی حقیقت کو زندگی کی بنیاد بنایا۔ آپؐ کی زندگی کا ہر لمحہ انہیں توحید کی عظمت سمجھاتے ہوئے گزرا۔

اُحد کا واقعہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو گئے اور کفار نے سمجھا کہ آپؐ شہید ہو گئے ہیں اور آپؐ کے ہمراہ ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی شہید ہو گئے ہیں۔ وہ پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہو کر کہنے لگے "محمدؐ نہیں! ابوبکرؓ نہیں! عمرؓ نہیں!"۔ آپؐ نے صحابہؓ کو اشارہ کیا خاموش رہو، جواب نہ دو۔ اس پر وہ سمجھے کہ ہمارے بُت خدا کی توحید پر غالب آ گئے ہیں انہوں نے نعرہ لگایا اُعْلُ ھُبَل، ہُبل بُت کی جے۔ صحابہؓ خاموش رہے تو آپؐ نے فرمایا جواب کیوں نہیں دیتے جواب دو! اِس لئے کہ توحید کی غیرت کا تقاضا ہے اور یہ جواب دو:-

"اللہ غالب اور بلند ہے"۔

اِس لئے کہ انہیں بھی بتا دو اور خود بھی سمجھ لو کہ توحید ہی اصل حقیقت ہے اور اللہ سے تعلّق ہی اصل بُنیاد ہے۔ محمدؐ، ابوبکرؓ، عمرؓ کی شہادت تمہارے خدا سے تعلق پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔

آپؐ تعلق باللہ کی اس انتہاء پر تھے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:-

ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی ۝ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ۝

اور وہ خدا کے قریب ہوئے اور وہ خدا بھی اُن کی ملاقات کے شوق میں اُوپر سے نیچے آ گیا۔ اور وہ اتنا قریب ہو گئے

جیسے دو کمانوں کا وُتر بلکہ اس سے بھی قریب ـــــ یعنی محمدؐ خدا اور مخلوق کے درمیان ایک وُتر کی طرح ہو گئے۔

آپؐ نے انسان کو خدا کی ہستی کے یقین پر قائم کر دیا۔ آپؐ نے انسان کو خدا کے اتنا قریب کر دیا کہ وہ اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے خدا کو دیکھنے لگے اور جب خدا نے اُن کو آزمایا دُنیا کی تکالیف سے، دُکھوں اور دردوں سے، مصائب و شدائد کے پہاڑوں کو برسا کر، ذہنوں اور جسموں کو اذیت دیکر، تو اُن کی زبان پر صرف یہی نعرہ آیا:-

"اے اللہ! ہم تیرے ساتھ ہیں"

بلالؓ کو جب عرب کی تپتی ہوئی دوپہر میں آگ اُگلتی ہوئی ریت پر لٹایا جاتا تھا اور سینے پر گرم پتھر رکھ کر کہا جاتا تھا کہ توحید کا انکار کر دو تو اُس کی زبان سے ایک ہی آواز نکلتی تھی "اَللّٰہُ اَحَد" اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے۔

جب خدا نے آزمائشوں کا دور ختم کر دیا اور دُنیا کی دولتوں سے، دُنیا کی عزتوں سے، دُنیا کی حکومتوں سے، دُنیا کی شہرتوں سے توحید کے اِن پرستاروں کو نوازا اور سونے چاندی کے ڈھیر اُن کی جھولیوں میں ڈال دیئے تب بھی دُنیا کی دولتوں کو دیکھ کر انہوں نے خدا کو نہ بُھلایا، اُن کی آنکھیں ہیرے جواہرات سے خیرہ نہ ہوئیں بلکہ اُن آنکھوں نے آنسو ٹپکائے اور اُن کے دل خدا کے پیار سے اور پگھل گئے۔ سیدنا عمرؓ کا ہی واقعہ ہے جب ایک موقع پر مالِ غنیمت اُن کے دربار میں پیش ہُوا تو وہ رو پڑے اور اِس طرح روئے کہ آنسوؤں سے اُن کی داڑھی تر ہو گئی کسی کے پُوچھنے پر فرمایا میں خوفِ خدا سے رو رہا ہوں۔

یہ خدا سے تعلق ہی تھا جو آپؐ نے اپنے ماننے والوں کے دلوں میں اِس طرح پیدا کر دیا تھا کہ وہ دُنیا کے ہر خوف سے، دُنیا کے لالچ سے، دُنیا کے ہر طمع اور ہر خواہش سے آزاد ہو گئے۔ اُن کے دلوں سے دُنیا کی محبت نکل گئی اور اُس کی جگہ پیدا کرنے والے رب نے لے لی۔ اُن کے ذہنوں سے دُنیوی خواہشات سے پیدا ہونے والی بزدلی دُور ہو گئی اور اس کی جگہ جرأت اور دلیری نے لے لی۔ دشمن نے جب بھی اِس خیال سے لڑائی کی کہ وہ توحید کے پرستاروں کو ختم کر دے اور یہ سمجھا کہ خدا کی وحدانیت شاید اس طرح مٹ جائے، یہ جاں نثارانِ محمدؐ اس جرأت اور دلیری سے لڑے کہ انسانی عقل دنگ رہ گئی۔

یہ محمدؐ کا ہی احسان تھا کہ وہ خدا سے قریب ہو گئے۔ اتنے قریب کہ جب بھی اُنہوں نے اسے پکارا اُنہیں یہی آواز سُنائی دی کہ مَیں تیری شہ رگ سے بھی قریب ہوں۔ وہ خدائی صفات سے اتنے رنگین ہو گئے کہ چلتے پھرتے حُسن و احسان کی تصویر بن گئے۔ وہ خدا کی محبت میں اتنے مست ہو گئے کہ اپنے سارے اوقات اللہ کے نام کو زندہ رکھنے کے لئے صرف کر دیئے۔

آپؐ نے نوعِ انسانی پر وہ احسان کیا اور ایک ایسی قوم کو پیدا کیا جو تعلق باللہ کی طرح مخلوقِ خداوند سے اپنے تعلق میں بھی انتہاء کو پہنچی۔ ایک ایسی قوم جو غیرت، شرافت، عظمت، جرأت، انصاف، مساوات، برابری اور حکومت کا زندہ نشان ہو گئی۔

آپؐ کی آمد سے قبل دُنیا میں فسق و فجور اور ظلم اپنی انتہاء کو پہنچ چکا تھا۔ دہشت اور بربریت کا وہ نظارہ زمین پر تھا کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ انسان انسان سے چھوٹی چھوٹی باتوں پر دست و گریباں تھا۔ معمولی معمولی جھگڑے قتل و غارت کی وہ انتہاء ہو جاتے کہ خون کی ندیاں بہتیں۔ پھر یہی نہیں بلکہ قتل کرنے کے بعد جسم کے اعضاء بھی کاٹ دیتے تھے جسے مُثلہ کہا جاتا ہے۔

آپؐ نے اُس ذہن کی کایا پلٹ کر رکھدی۔ اُسے عفو و درگذر کا ایک شاندار سبق دیا۔ اُسے سمجھایا کہ اگر انسان دوسرے کی غلطیوں کوتاہیوں اور دوسرے کی طرف سے ہونیوالی زیادتیوں کو معاف کرنا شروع کر دے تو دُنیا سے جنگ وجدل کا بازار ختم ہو جائے، بدامنی اور فساد کی جگہ امن اور سکون لے لے۔ آپؐ نے عفو و درگذر

کا ایک شاندار نمونہ قائم کیا۔ اپنے نہایت پیارے اور عزیز چچا حمزہؓ کا کلیجہ چبانے والی ھندہ کو معاف کر دیا۔ زہر دینے والی خیبر کی یہودی عورت کو معاف کر دیا۔ مکّہ میں مخالفین نے آپؐ کا کھانا پینا بند کر دیا اور شعب ابی طالب میں ڈھائی سال تک مسلمانوں کو محصور کر کے ضروریاتِ زندگی سے بھی محروم کر دیا تو خدا نے انہیں اس کے فوراً بعد ہی قحط سے پکڑ لیا اور اس وقت مسلمانوں کے شدید دشمن کفار کا سردار ابو سفیان آپؐ کی خدمت میں آیا اور التجا کی کہ اے محمدؐ! تمہاری قوم ہلاک ہو رہی ہے ان کو بچانے کے لئے کچھ کر۔ تیری قوم کے بچے بھوک اور پیاس سے تڑپ رہے ہیں۔ تو عفو اور درگزر کا سبق دینے والے رحمۃ للعالمینؐ نے اپنے ہاتھ دعا کیلئے اٹھا لئے اور خدائے رحمٰن سے قحط کو دور کرنے کی دعا مانگی اور مدینہ سے اناج مکّہ میں بھجوا دیا۔

آپؐ کا احسان دیکھنا چاہتے ہو تو چلو اپنے ذہن کو ۱۴۰۰ سال پیچھے لے جاؤ اور دیکھو کہ مکّہ کی گلیوں میں ہی نہیں اس دور کے ہر بازار میں کس طرح انسانوں کا بیوپار ہو رہا تھا۔ غلامی کی لعنت سے انسان تڑپ رہا تھا۔ انسانیت چیختی تھی اور دنیا کے تاجر اس کا کاروبار کر رہے تھے۔ پھر ایک مردِ مومن آیا انسان کو انسان کی عظمت سکھانے کے لئے، انسانیت کو یہ بتانے کیلئے کہ تم بکاؤ مال نہیں۔

یہ آپؐ ہی تھے جنہوں نے غلامی کی لعنت کو ختم کیا اور انسان کو یہ سبق دیا کہ تم اپنے حُسن و احسان سے کسی دوسرے شخص کو اپنا دوست یا عقیدت مند تو بنا سکتے ہو لیکن اپنے زورِ بازو سے اپنی طاقت کے بل پر دولت کے زور سے اس کا جسم نہیں خرید سکتے، اس کا احساس اور اس کا ارمان نہیں خرید سکتے۔

آج شاید آپ اس احسان کو نہ سمجھ سکیں لیکن خبابؓ سمجھ سکتے ہیں جو آزادی کے مذہب پر ایمان لائے اور ثابت قدم رہے۔ اس حالت میں کہ جب انہیں بھٹی کے کوئلے نکال کر ان پر لٹا دیا جاتا تھا۔

زیدؓ سمجھ سکتے ہیں جب ان کے والد انہیں لینے آئے تو اس وقت انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کی خاطر ان کے ساتھ جانے سے بھی انکار کر دیا۔

بلالؓ سمجھ سکتے ہیں جو ظلم کی چکی میں پس رہے تھے جن کو آپؐ نے اذیت کی آگ سے نکالا اور اسلام کا امن کا جھنڈا تھما دیا۔

سمیہؓ سے پوچھو! عمارؓ سے پوچھو! صہیبؓ سے پوچھو! لبینہؓ سے پوچھو! زنیرہؓ سے پوچھو! عامرؓ سے پوچھو! حمامہؓ سے، ھندیہؓ سے، ام عبیسؓ سے پوچھو! اور یہ نہیں کہ یہ احسان چند افراد پر کیا بلکہ پوری نوعِ انسانی پر کیا اور اس لعنت کو ختم کر دیا۔ اور صرف یہی نہیں کہ غلامی کے نظام کو ختم کیا بلکہ عربی کی عجمی پر، عجمی کی عربی پر، چھوٹے کی بڑے پر، بڑے کی چھوٹے پر، طاقتور کی کمزور پر، امیر کی غریب پر فوقیت کو ختم کر دیا۔ انسان کو مساوات کا سبق اور برابری کی تعلیم دی اور یہ اعلان کیا کہ دیکھو جہاں تک انسان ہونے کا تعلق ہے ہم سب برابر ہیں اور میں بھی! ہاں میں بھی تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں۔ یہ نہیں کہ مساوات کا صرف سبق دیا بلکہ مساوات کو قائم بھی کیا۔

دیکھنے والوں نے یہ نظارہ دیکھا کہ جب خدا نے اس محسنِ انسانیت کو حکومت اور عظمت سے نوازا تو ایک موقع پر مالِ غنیمت تقسیم ہو رہا تھا۔ ہجوم کی وجہ سے ایک شخص آپؐ پر گرا۔ آپؐ نے اپنی چھڑی سے جو اسے پرے ہٹایا تو چھڑی کا سرا اس کے منہ پر لگا اور اسے خراش آگئی تو آپؐ نے فرمایا۔ لو مجھ سے انتقام لے لو۔

دیکھنے والوں نے یہ بھی دیکھا کہ مسلمانوں کا ایک دستہ لڑنے جا رہا ہے۔ سپہ سالار ایک غلام زادہ اسامہؓ بن زیدؓ ہیں اور ابوبکرؓ اور عمرؓ اس دستے میں ایک سپاہی کی حیثیت سے شامل ہیں۔

اور دیکھنے والوں نے یہ بھی دیکھا کہ وہ رؤسائے مکّہ جن کی گردنیں غرور و فخر سے اکڑی رہتی تھیں، جن کے ہاتھ ظلم کی آگ برساتے تھے، جو غربت و افلاس کا شکار انسانوں کی انسانیت کی دھجیاں بلا چون وچرا اڑا دیتے تھے فتح مکّہ کے موقع پر ایک

غلام بلالؓ کے جھنڈے تلے پناہ لے رہے تھے۔

یہ مساوات صرف اُٹھنے بیٹھنے میں ہی نہیں تھی بلکہ ہر مقام پر، زندگی کے ہر پہلو میں، ہر انداز، ہر جہت سے نمایاں تھی۔ یہ مساوات اُس وقت بھی نظر آئی جب مسلمان فوجیں دوسروں کے خلاف برسرِ پیکار ہوئیں۔ یہ اُس وقت بھی نظر آئی جب امن کا زمانہ تھا اور یہاں یہ انصاف کے ترازو میں بھی نمایاں تھی۔ ایک دفعہ ایک عورت نے چوری کی اور آپؐ نے اُسے سزا سُنائی۔ وہ عورت کوئی معمولی عورت نہیں تھی لہٰذا بعض لوگوں کو خیال آیا کہ اس کی سزا معاف کر دی جائے۔ چنانچہ ایک صحابی کو اُنہوں نے آپؐ کے حضور بھجوایا کہ جا کر سفارش کرو۔ آنحضرتؐ نے اُن کی بات سُنی تو فرمایا میں انصاف کرنے آیا ہوں، اللہ کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اُسے بھی سزا دیتا۔

یہ آپؐ ہی کا احسان تھا کہ مساوات کو اِس اصول پر کہ "ہر شخص کو اُس کا حق دو اور کسی سے اس کا حق نہ چھینو" کو دُنیا میں قائم کر دیا۔

ان اصولوں پر، برابری کی اِن بُنیادوں پر وہ عمارت تعمیر ہوئی کہ محمود و ایاز ایک صف میں کھڑے ہو گئے اور تاریخ کے قلم نے یہ لکھا کہ عرب کے ایک رئیس حضرت ابوذر غفاریؓ نے وہی لباس پہنا تھا جو اُن کے غلام نے پہنا ہوا تھا۔

آپؐ کی بعثت کے وقت عورت کے حقوق کو بُری طرح پامال رکھا جا رہا تھا، عورت ہونا ایک گالی تھی، بیٹی کا پیدا ہونا ایک نحوست تھی۔ یہ مخلوقِ خداوندا اگر لونڈی نہ تھی تب بھی اس کی حیثیت ایک لونڈی جیسی تھی۔ یہ نہیں کہ اُس کو اُس کا حق نہیں ملتا تھا بلکہ اس کے حقوق کا تصوّر ہی نہ تھا۔ اس کی حیثیت بکاؤ مال کی سی تھی، اس کی عظمت سے کوئی واقف نہ تھا۔ آپؐ نے عورت کے حقوق کا اعلان کیا، اُس کے حقوق کو قائم اور اِس طرح قائم کیا کہ صرف اُس زمانے کی عورت کو ہی نہیں بلکہ ہر زمانے کی ہر عورت کو وہ مقام ملا جس کا تصوّر آج کی مہذّب دُنیا بھی نہ کر سکی۔ اور وہ بھی یہ حق نہ دلا سکے جن کا دعویٰ ہے کہ ہم نے عورت کو مرد کے برابر کھڑا کر دیا ہے۔

آپؐ نے عورت کے ورثہ کو قائم کیا۔ آپؐ نے عورت کو اس کے مال کا مستقل مالک قرار دیا یعنی خاوند کو یہ حق نہیں کہ محض خاوند ہونے کی وجہ سے اُس کا مال ہڑپ کر سکے۔

ایک دفعہ آپؐ سفر پر جا رہے تھے اور عورتیں بھی ساتھ تھیں تو اچانک سپاہیوں نے اونٹوں کی رفتار تیز کر دی آپؐ نے فوراً انہیں آہستہ چلنے کا حکم دیا اور فرمایا یہ کیا کرتے ہو، عورتیں ساتھ ہیں اگر تیز چلو گے تو یہ شیشے چکنا چُور ہو جائیں گے یعنی یہ مخلوقِ خدا نازک ہے اِس کی نزاکت کا خیال رکھو۔

آپؐ نے عورتوں کو مارنے سے منع فرمایا، ان سے حُسنِ سلوک کا حکم دیا۔ اُنہیں جو بیٹی کے پیدا ہونے کو نحوست سمجھتے تھے یہ سبق دیا کہ بیٹی کی پیدائش برکت ہے، برکت ہے، برکت ہے۔

آپؐ نے تعلق باللہ اور تعلق بالعباد کی انتہا تک پہنچنے کیلئے جو راستہ بتایا اُس پر مرد اور عورت دونوں کو ایک دوسرے کے شانہ بشانہ چلنے کی ہدایت فرمائی۔

آپؐ صحابہؓ کو فرماتے تھے کہ دیکھو جو لوگ عورتوں سے بُرا سلوک کرتے ہیں میں تمہیں بتاتا ہوں کہ وہ خدا کی نظر میں اچھے نہیں سمجھے جاتے۔

آپؐ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اپنی بیٹیوں کی اچھی تربیت کرتا ہے اور انہیں صحیح تعلیم دلاتا ہے خدا تعالیٰ اُس پر دوزخ حرام کر دے گا۔ ابُودرداءؓ دن کو روزہ رکھتے، رات بھر تہجد ادا کرتے رہتے ـــــ آپؐ نے فرمایا ابُودرداء تیرے بیوی بچّوں کا بھی تجھ پر حق ہے اُن کو بھی وقت دیا کرو۔

اپنی آخری وصیّت میں بھی حضورؐ نے یہی نصیحت فرمائی کہ عورتوں سے ہمیشہ حُسنِ سلوک کرنا۔ غرضیکہ آپؐ ہی نے عورت کو عظمت عطا کی، ایسی عظمت جس نے عورت کو پستیوں سے اُٹھایا اور بلندی پر

پہنچا دیا۔

نوعِ انسانی پر آپؐ کے احسانات کا دائرہ اتنا وسیع تھا کہ بچپن کی معصومیت بھی اس سے محروم نہ ہوئی اور اُسے بھی وہ حق ملا جس کا وہ حقدار تھا۔

آپؐ نے بچوں سے پیار کو اپنی سُنّت بنایا اور اُنہیں پیار کرنے کا حکم دیا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے حضورؐ کو اپنے نواسوں سے پیار کرتے دیکھا تو تعجب سے پوچھا، یا رسُول اللہ! آپ بھی بچّوں سے پیار کرتے ہیں؟ آپؐ نے اُسے سمجھایا اور فرمایا جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائیگا۔

آپؐ نے یہ فرما کر کہ ہر بچہ فطرتِ صحیحہ پر پیدا ہوتا ہے خواہ وہ عیسائی کا بچہ ہو خواہ یہودی کا، ہر بچّہ سے پیار و محبت کا دروازہ کھول کر اُس پر احسان کیا۔

ایک دفعہ کسی جنگ میں مشرکین کے بچّے قتل ہو گئے تو آپؐ بہت ناراض ہوئے اور بڑی سختی سے فرمایا۔ خبردار! آئندہ کسی بچّے کو قتل نہ کرنا۔

بچّوں کے بارہ میں آپؐ کا حکم تھا کہ اُن کی صحیح تربیت کی جائے اور ان کے علم اور ان کی استعدادوں کی پوری نگہداشت کی جائے۔

اے آقاؐ! میں تیرے کس کس احسان کا ذکر کروں کہ یہ میری طاقت سے باہر ہے اور میری طرح ہر انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ حضرت عائشہؓ نے سچ فرمایا:۔

"حضورؐ کی سیرت قرآن ہے"۔

آپؐ کے احسانات کا دائرہ بہت وسیع ہے، اتنا وسیع کہ انسانی فہم و فراست اس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔

آپؐ نے ہمسایہ پر احسان فرمایا، اس کے حقوق کو قائم کیا۔ تاجر کو تجارت کے اصول بتائے۔ زمیندار کی زمینداری میں راہنمائی فرمائی، حکومت کرنے والوں کو حکومت کرنے کے اصول بتائے محکوم کو اس کے حقوق بتائے۔ ہر شخص کے حقوق کا تعیّن کیا اور اُس کو اس کا حق دلایا۔

پھر سب سے بڑھ کر ان احسانات وعنایات کا دائرہ مسلمانوں تک ہی محدود نہ تھا بلکہ خدا نے آپؐ کو رحمۃٌ للعالمین کہا تھا اور آپؐ نے رحمۃٌ للعالمین ہو کر ہر مرد پر احسان کیا خواہ وہ مسلم تھا یا غیر مسلم، ہر عورت پر احسان کیا خواہ وہ مسلم تھی یا غیر مسلم۔ آپؐ کی پُوری تعلیم ہر ایک کے لئے مشعلِ راہ ہوئی خواہ اُس کا تعلق کسی قبیلہ، کسی مذہب یا کسی قوم سے تھا۔ آپؐ کی تعلیم میں یہ بات کہیں نظر نہیں آتی کہ مثلاً یہ حق مسلمان مرد کو دو غیر مسلم کو نہیں، یا یہ حق مسلمان عورت کے لئے ہے غیر مسلم کے لئے نہیں۔

غرضیکہ آپؐ کی تعلیم اور آپؐ کے عمل نے ایک ایسی اُمّت کو پیدا کر دیا، ایسی تہذیب کو جنم دیا جو تعلق باللہ کو دیکھو تو آسمانی رفعتوں کو چھُو رہی تھی، اشرف المخلوقات ہونے کے لحاظ سے دیکھو تو ہر فرد و بشر کے لئے مشعلِ راہ بنی ہوئی تھی، جو خدا کے نُور سے اتنی منوّر ہوئی کہ چاند اور سورج کی روشنی گہنا گئی جو تعلق بالعباد سے اتنی آراستہ تھی کہ عرب کے صحرا سے نکلی تو راہ میں آنے والے ہر قیصر اور کسریٰ کو نابود کر گئی۔

آپؐ کا احسان صرف اُس پر نہیں تھا جو ۱۴۰۰ سال قبل پیدا ہوا، آپؐ صرف اُن کیلئے روشنی کا مینار نہیں تھے جو چودہ صدیاں قبل دُنیا میں آئے تھے بلکہ یہ احسان اُس کُن سے شروع ہوا جس نے کائنات کی پیدائش کی۔ پھر آپؐ نے نوعِ انسانی کو جو حقوق دیئے وہ ہر قوم، ہر ملک، ہر مذہب کے ماننے والوں کیلئے مشعلِ راہ ہوئے یہانتک کہ آج کے تہذیبی ڈھانچے بھی انہی میں سے بعض پر قائم ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ مکمل نہیں۔ اب کوئی انسان مکمل نہیں ہو سکتا، ہر شخصیت ادھوری ہے، ہر قوم خوابِ غفلت میں ہے، ہر تہذیب نامکمّل ہے جبتک وہ ان اصولوں کو جو محسنِ انسانیتؐ نے عطا کئے ہیں مکمل طور پر اپنا نہیں لیتی اور آج یہ ذمہ داری آپؐ کے ہی طفیل آپؐ کے ہی صدقے ہمارے کاندھوں پر آن پڑی ہے کہ ہم جو خود کو رحمۃٌ للعالمینؐ کے فرزندِ روحانی سے منسوب کرتے ہیں اللہ کرے ہم سب تہذیب و تمدن کے اُس مینار کو قائم رکھیں جس کی بنیادوں میں تعلق باللہ اور تعلق بالعباد کی انتہائی حسین آمیزش شامل ہے جو آنحضرتؐ سے ہمیں ورثہ میں عطا ہوا ہے۔

قرآن شریف کی ایک عظیم الشّان صداقت

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی مماثلت

مکرم حافظ مظفر احمد صاحب فاضل مربّی سلسلہ احمدیہ ملتان

بائیبل میں مثیلِ موسیٰ کی پیشگوئی

تورات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک مثیل کی خبر دی گئی تھی۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

"میں اُن کے لئے اُن ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اُس کے مُنہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اُسے حکم دوں گا وہی وہ اُن سے کہے گا۔ اور جو کوئی میری اِن باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سُنے تو میں اُن کا حساب اُس سے لوں گا۔"[1]

اسی طرح انجیل میں لکھا ہے:۔

"موسیٰ نے باپ دادوں سے کہا کہ خداوند جو تمہارا خدا ہے تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے ایک نبی میری مانند اُٹھائے گا۔ جو کچھ وہ تمہیں کہے اُس کی سب سُنو۔ اور ایسا ہوگا کہ ہر نفس جو اس نبی کی نہ سُنے وہ قوم میں سے نیست کیا جائے گا۔"[2]

مثیلِ موسیٰ میں اختلاف

یہود کہتے ہیں کہ مثیلِ موسیٰ یشوعا نبی تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے فوت ہونے کے بعد آپ کا جانشین ہوا اور عیسائی اس پیشگوئی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر چسپاں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ بھی حضرت موسیٰؑ کی طرح منجّی ہو کر آئے تھے[3]

حضرت یشوع کی موسیٰ علیہ السلام سے مماثلت شاید بائیبل کی بعض عبارتوں سے سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ یشوع

---

[1] استثناء ۱۸: ۱۸-۱۹

[2] اعمال ۳: ۲۲، ۲۳۔ [3] دیکھیں ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۸۸

کی کتاب میں لکھا ہے :۔

"جب خداوند کا بندہ موسیٰ مر گیا تو یوں ہوا کہ خداوند نے نون کے بیٹے یشوع کو جو موسیٰ کا خادم تھا خطاب کر کے فرمایا کہ میرا بندہ موسیٰ مر گیا ہے سو اب تو اُٹھ اور اس یردن پار اس ساری قوم سمیت اس سرزمین کو جو مَیں انہیں یعنی بنی اسرائیل کو دیتا ہوں اُتر جا۔ ہر ایک جگہ کو جسے تمہارے پاؤں کا تلوا پامال کرے گا وہ مَیں تمہیں عنایت کر چکا جیسا کہ مَیں نے موسیٰ سے کہا..... جس طرح مَیں موسیٰ کے ساتھ تھا تیرے ساتھ ہوں گا۔"[1]

نیز لکھا ہے :۔

"جیسا کہ خداوند نے اپنے بندے موسیٰ کو فرمایا تھا ویسا ہی موسیٰ نے یشوع کو ارشاد کیا اور یشوع نے بھی ویسا ہی کیا۔"[2]

حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے مثیلِ موسیٰ قرار دیئے جانے کے بارہ میں استثناء $\frac{18}{15-22}$ کی تفسیر میں لکھا ہے :۔

"As Messiah's comming had been foretold by the prophets, so proffecy found its culmination in our Lord."[3]

یعنی مسیح کی آمد (بعثت) کی پیشگوئی پہلے انبیاء کی طرف سے کی جا چکی تھی چنانچہ اس پیشگوئی کا ہمارے خدا (مسیح) میں ظہور ہوا۔"

مثیلِ موسیٰ کے بارہ میں قرآن شریف کا بیان

قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مثیلِ موسیٰ ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔ چنانچہ فرماتا ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۝[4]

اے لوگو! ہم نے تمہاری طرف ایک ایسا رسول بھیجا ہے جو تم پر نگران ہے اُسی طرح جس طرح فرعون کی طرف رسول بھیجا گیا۔

اس آیت میں خدا تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیلِ موسیٰ قرار دیا ہے۔ آپؐ کو موسیٰ علیہ السلام کی طرح اور کفار کو فرعون کی طرح ٹھہرایا ہے۔[5]

---

[1] یشوع $\frac{1}{1-5}$ ۔ [2] یشوع $\frac{11}{15}$

[3] The Interpreter's Bible, Vol. 2 Page 449.

[4] المزمل ۱۶ ۔ [5] دیکھیں ازالہ اوہام صفحہ ۶۷۴

قرآن شریف کے بیان کی خوبی یہ ہے کہ اس میں بڑی وضاحت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح موسیٰ (علیہ السلام) کی مانند قرار دیا ہے جس کی طرف توریت میں "تیری مانند" کے الفاظ میں اشارہ کیا گیا تھا۔ پس جس طرح توریت میں خود موسیٰ علیہ السلام کے آنے کی خبر نہیں تھی بلکہ اُن کے مثیل کے آنے کی پیشگوئی تھی قرآن شریف کے حکیمانہ اسلوب میں اس امر کو مدّنظر رکھتے ہوئے توریت کے بیان کے مطابق فرمایا کہ ہم نے اس نبی کی مانند رسول بھیجا ہے جو فرعون کی طرف بھیجا تھا۔[1]

اب ہم سب سے پہلے بائیبل کی روشنی میں مثیلِ موسیٰ کے بارہ میں بیان کردہ تفصیلات اور علامات دیکھتے ہیں کہ اس پیشگوئی کا حقیقی مصداق کون ہے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ حضرت یشوع بن نون اور حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے حق میں یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان میں مذکورہ علامات پائی نہیں جاتیں۔ علاوہ ازیں

اوّل تو حضرت یوشع اور مسیح ناصری علیہ السلام نے خود مثیلِ موسیٰ کا دعویٰ نہیں کیا اس لئے وہ اس عظیم الشان پیشگوئی کے مصداق کس طرح ہو سکتے ہیں؟ یہ تو مدعی سُست اور گواہ چُست والا معاملہ ہوا۔

دوم یہ کہ پیشگوئی میں جس مثیل کا ذکر ہے اسے حضرت موسیٰؑ سے مماثلتِ تامّہ ہونی چاہیئے۔ ورنہ اگر محض مماثلتِ ناقصہ دیکھی جائے اور ایک آدھ مشابہت سے ہی کسی کو موسیٰؑ کی مانند قرار دیا جائے تو اکثر نبیوں کو حضرت موسیٰؑ سے یہ ادھوری مماثلت حاصل ہوگی اور یہ یشوع اور مسیحؑ کی خصوصیت نہ رہے گی۔ پس کیا ایسے تمام نبیوں کو مثیلِ موسیٰ قرار دیا جائے؟ ہرگز نہیں۔ صرف ایک اور وہی نبی جو حضرت موسیٰ کے ساتھ کامل مماثلت رکھتا ہو وہی آپ کی مانند اور آپ کا حقیقی مثیل کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے۔

سوم پیشگوئی سے پتہ چلتا ہے کہ وہ موعود نبی صاحبِ شریعت ہوگا۔ اب حضرت یشوع کوئی نئی شریعت نہیں لائے وہ تو صرف حضرت موسیٰؑ کی وصیت کے مطابق آپ کے خلیفہ ہوئے اور بنی اسرائیل کو توریت پر عمل کرواتے رہے۔ پھر خود توریت سے یشوع کے مثیلِ موسیٰ ہونے کی تردید ہوتی ہے چنانچہ وفاتِ موسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں لکھا ہے:

"اور بنی اسرائیل موسیٰ کے لئے موآب کے میدانوں میں تیس دن تک روتے رہے پھر موسیٰ کیلئے ماتم کرنے اور رونے پیٹنے کے دن ختم ہوئے اور نون کا بیٹا یشوع دانائی کی روح سے معمور تھا کیونکہ موسیٰ نے اپنے ہاتھ اس پر رکھے تھے اور بنی اسرائیل اسکی بات مانتے رہے اور جیسا کہ خداوند

---

[1] ضمیمہ براہین احمدیہ صفحہ ۲۲۹-۲۳۰

نے موسیٰ کو حکم دیا تھا انہوں نے
ویسا ہی کیا اور اس وقت سے اب
تک بنی اسرائیل میں کوئی نبی موسیٰ
کی مانند جس سے خدا نے رُوبرو
باتیں کیں نہیں اُٹھا۔"[1]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی صاحب شریعت نبی نہیں
تھے۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ :-

"یہ مت خیال کرو کہ میں توریت یا
نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے
آیا ہوں منسوخ کرنے نہیں بلکہ
پُورا کرنے آیا ہوں کیونکہ میں تم سے
سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان
اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا
ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ
ٹلے گا جب تک سب کچھ پُورا نہ
ہو جائے۔"[2]

پھر اُن کے حواریوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ :-

"شریعت کو ایمان سے کچھ نسبت
نہیں مسیح نے ہمیں مول لے کر
شریعت کی لعنت سے چھڑایا۔"[3]

پس جب حضرت مسیحؑ کسی شریعت کے لانے کے
مدعی نہیں اور ان کے حواری شریعت کو لعنت
قرار دیتے ہیں تو حضرت مسیحؑ اور اُن کی قوم کس
طرح اس پیشگوئی کی مستحق ہو سکتی ہے :-

چہارم : پیشگوئی میں کہا گیا تھا کہ وہ آنے والا بنی اسرائیل
کے بھائیوں میں سے ہو گا۔

حضرت یشوع خود بنی اسرائیل کے قبیلہ
افرائیم بن یوسف میں سے تھے اور "تیرے بھائیوں"
سے مراد بنی اسماعیل ہیں نہ کہ بنی اسرائیل۔ اس
لحاظ سے یوشع اس پیشگوئی کے مصداق نہیں ہو سکتے۔

اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام بھی بنی اسرائیل
کے بھائیوں میں سے نہیں تھے بلکہ بنی اسرائیل میں سے
تھے۔ بعض عیسائیوں کا یہ کہنا کہ بن باپ ہونے
کی وجہ سے وہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے
کہلا سکتے ہیں کوئی معقول دلیل نہیں کیونکہ بائیبل
کے الفاظ بتاتے ہیں کہ بہت سے بھائیوں کی نسل
میں سے اس موعود نے ظاہر ہونا تھا۔ اور ظاہر
ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی قسم کے لوگ (بن باپ)
بہت نہیں ہیں اس لئے یہ پیشگوئی آپ پر چسپاں
نہیں ہو سکتی۔

علاوہ ازیں بائیبل میں تو مسیح کی نسبت لکھا
ہے کہ وہ داؤد کی نسل سے ہو گا۔[4]

اگر بن باپ ہونے کی وجہ سے حضرت مسیح
کو بنی اسرائیل میں سے خارج کر دیا جائے تو
پھر وہ داؤد کی نسل میں بھی نہیں رہ سکتے اور
اس پیشگوئی سے انہیں جواب مل جاتا ہے۔

۱؎ استثناء ۳۴/۱۰۔۸ ۔ ۲؎ متی ۵/۱۷-۱۹ ۔ ۳؎ گلتیوں ۳/۱۲-۱۳

۴؎ زبور ۱۳۲/۱۱ و یرمیاہ ۲۳/۵

پنجم۔ پیشگوئی میں لکھا ہے کہ میں اپنا کلام اس کے مُنہ میں ڈالوں گا لیکن انجیل میں تو کوئی خدا کا کلام نہیں۔ وہ یا تو حضرت عیسیٰؑ کے سوانح ہیں یا اُن کی تقریریں اور حواریوں کی باتیں حضرت یسوع سے بھی ایسا کوئی کلام ثابت نہیں۔

ششم۔ پیشگوئی میں موعود کو "نبی" کہا گیا تھا مگر مسیح کو تو اُن کی قوم خدا کا بیٹا مانتی ہے پس جب عیسائیوں کے نزدیک وہ نبی ہی نہ تھے تو اس پیشگوئی کے مصداق کیسے ہو سکتے ہیں؟

ہفتم۔ پیشگوئی میں ہے کہ وہ خدا کا نام لے کر الہام لوگوں کو سُنائے گا مگر اناجیل میں تو کوئی ایک فقرہ بھی ایسا نہیں جس میں مسیح نے کہا ہو کہ خدا نے مجھے یہ بات لوگوں تک پہنچانے کا حکم دیا ہے۔

ہشتم۔ پیشگوئی میں ہے کہ "جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا"۔ لیکن مسیح خود کہتے ہیں "میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمہیں کہوں پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے"۔[۱]

پس بعض سچائیاں حضرت مسیحؑ نے نہیں بتائیں اور کہا کہ رُوحِ حق آ کر وہ بیان کرے گا اس لئے آپ اس پیشگوئی کے مصداق نہیں ہو سکتے۔[۲]

نہم۔ سب سے بڑھ کر یہ امر ہے کہ حضرت مسیحؑ نے خود مثیلِ موسیٰ ہونے سے انکار کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"پس توبہ کرو اور رجوع لاؤ تا کہ تمہارے گناہ مٹائے جائیں اور اس طرح خداوند کے حضور سے تازگی کے دن سے اور وہ اس مسیح کو جو تمہارے واسطے مقرر ہُوا ہے یعنی یسوع کو بھیجے ضرور ہے کہ وہ آسمان میں اُس وقت تک رہے جب تک کہ وہ سب چیزیں بحال نہ کی جائیں جن کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے جو دُنیا کے شروع سے ہوتے آئے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ نے کہا کہ خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے مجھ سا ایک نبی برپا کرے گا۔ جو کچھ وہ تم سے کہے اُس کی سُننا۔ اور یوں ہو گا کہ جو شخص اُس نبی کی نہ سُنے گا وہ اُمّت میں سے نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ بلکہ سموئیل سے لے کر پچھلوں تک جتنے نبیوں نے کلام کیا ان سب نے اِن دنوں کی خبر دی ہے۔ تم نبیوں کی اولاد اور اس عہد کے شریک ہو جو خدا نے تمہارے باپ دادا سے باندھا۔ جب ابرہام سے کہا کہ تیری اولاد سے

---

[۱] یوحنا ۱۶/۱۲-۱۳۔ [۲] دیکھیں دیباچہ تفسیر القرآن صفحہ ۰۶۹-۷۰

دنیا کے سب گھرانے برکت پائیں گے۔
خدا نے اپنے خادم کو اُٹھا کر پہلے تمہارے
پاس بھیجا تاکہ تم میں سے ہر ایک کو اس کی
بدیوں سے ہٹا کر برکت دے[1]۔"

اس حوالہ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام
دوبارہ اُس وقت تک نہیں آسکتے جب تک کہ حضرت موسیٰ
علیہ السلام کی تمام پیشگوئیاں پوری نہ ہوں۔ اور آیت ۲۰
سے مثیلِ موسیٰ کا ظہور مسیح کی پہلی بعثت کے بعد اور دوسری
بعثت سے پہلے ثابت ہوتا ہے۔ گویا اس جگہ مسیح کی دو
بعثتوں کا ذکر ہے جن میں سے پہلی بعثت مثیلِ موسیٰ سے
پہلے ہے اور دوسری بعثت مثیلِ موسیٰ کے بعد ہے۔
پس انجیل کے مطابق مسیح کا پہلا نزول مثیلِ موسیٰ سے پہلے
ہوا اور دوسرا اُس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک
حضرت موسیٰ کی اپنے مثیل کے بارہ میں بیان کردہ تمام
پیشگوئیاں پوری نہ ہو جائیں۔ پس حضرت مسیح کسی صورت
میں بھی مثیلِ موسیٰ قرار نہیں پا سکتے[2]۔

حضرت اقدس .... فرماتے ہیں:۔

"موسیٰ نے ظاہر ہو کر تین بڑے
کھُلے کھُلے کام کئے جو دنیا پر روشن ہو گئے۔
ایسے ہی کھُلے کھُلے تین کام ..... جس نبی
سے ظہور میں آئے ہوں وہی نبی مثیلِ موسیٰ
ہو گا اور وہ کام یہ ہیں:
(۱) اوّل یہ کہ موسیٰ نے اُس دشمن کو ہلاک
کیا جو اُن کی اور اُن کی شریعت کی بیخ کنی
کرنا چاہتا تھا۔
(۲) دوسرے یہ کہ موسیٰ نے ایک نادان
قوم کو ..... کتاب اور خدا کی
شریعت دی ......
(۳) تیسرے یہ کہ بعد اس کے کہ وہ
لوگ ذلّت کی زندگی بسر کرتے
تھے اُن کو حکومت اور بادشاہت
عطا کی ....
...... اب سوچ کر دیکھ لو کہ اِن
تینوں کاموں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو
حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک ذرّہ بھی
مناسبت نہیں۔ نہ وہ پیدا ہو کر یہودیوں
کے دشمنوں کو ہلاک کر سکے اور نہ وہ ان
کے لئے کوئی نئی شریعت لائے اور نہ
انہوں نے بنی اسرائیل یا اُن کے بھائیوں
کو بادشاہت بخشی[3]۔"

لیکن جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ پیشگوئی چسپاں
کرتے ہیں تو آپ ہی اس کے حقیقی مصداق ثابت ہوتے
ہیں۔

۱۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں مثیلِ موسیٰ قرار دیئے
جانے والے دونوں نبیوں نے یہ دعویٰ خود نہیں
کیا لیکن قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] اعمال ۳: ۱۹-۲۶ [2] دیکھیں تفسیر کبیر سورۃ البقرہ جزو دوم صفحہ ۲۷-۳۸

[3] تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۲۰-۱۲۲

کے بارہ میں یہ دعویٰ موجود ہے جس پر آیت اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاھِدًا الخ گواہ ہے۔

اسی طرح دوسری جگہ فرماتا ہے:۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ کَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ وَکَفَرْتُمْ بِہٖ وَشَھِدَ شَاھِدٌ مِّنْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ عَلٰی مِثْلِہٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَکْبَرْتُمْ

(احقاف: ۱۱) یعنی کہدے اے لوگو! بتاؤ تو سہی اگر یہ کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہو اور تم نے اس کا انکار بلاسوچے سمجھے کر دیا (تو اس کا کیا نتیجہ نکلے گا) اور پھر بنی اسرائیل میں سے ایک شخص (موسیٰؑ) اپنے ایک مثیل کی گواہی بھی دے چکا ہے پس وہ تو اس پر ایمان لایا مگر تم لوگوں نے تکبر کیا۔

اس جگہ اس پیشگوئی کو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کی تھی بطور دلیل پیش کر کے بتایا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰ ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہیں اس پیشگوئی کو اپنے اوپر چسپاں نہیں کیا۔[1]

۲۔ توریت کی پیشگوئی کے مطابق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ شخص تھے جو بنو اسماعیل میں پیدا ہوئے جو بنو اسحاق کے بھائی ہیں۔ پس پیشگوئی میں "تیرے بھائیوں میں سے" کے الفاظ آپ کے حق میں پورے ہوئے۔

۳۔ پیشگوئی میں کہا گیا تھا کہ آنے والا موعود نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دعویٰ فرمایا جبکہ حضرت مسیحؑ نے نبیوں میں سے کوئی نبی ہونے سے انکار کیا۔[1]

۴۔ پیشگوئی میں کہا گیا تھا کہ میں اپنا کلام اُس کے مُنہ میں ڈالوں گا ـــــ ساری انجیلوں میں کہیں خدا کا کلام نظر نہیں آتا۔ اس کے بالمقابل قرآن شریف شروع سے آخر تک خدا کا کلام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا۔

۵۔ پیشگوئی میں کہا گیا تھا کہ میں جو کچھ اسے فرماؤنگا وہ سب ان سے کہے گا۔ حضرت مسیحؑ نے سب کچھ نہ بتایا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ[2] کے حکم کے ماتحت پیشگوئی کے مطابق ساری سچائیاں دُنیا کو سُنا دیں۔

۶۔ پیشگوئی میں تھا کہ وہ خدا کا کلام اس کا نام لیکر دنیا کو سُنائے گا۔ یہ بات بھی آپؐ کے ذریعہ پوری ہوئی۔ آپؐ کی الہامی کتاب کا ہر باب بِسْمِ اللّٰہِ سے شروع ہوتا ہے کہ "میں اللہ کا نام لے کر یہ باتیں سُناتا ہوں۔"

۷۔ پیشگوئی میں کہا گیا تھا کہ "وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اُسے حکم نہیں دیا یا اور معبودوں

---

[1] تفسیر سورۃ بقرہ جزو دوم ص۳۷

[1] مرقس ۲۷-۳۰ ـ [2] مائدہ

کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے"۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف الفاظ میں اس پیشگوئی کا مصداق ہونے کا بھی دعویٰ کیا ہے۔ آپؐ دعویٰ کے وقت اکیلے تھے اور دشمن سارا زور لگانے کے باوجود بھی خدائی وعدہ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ[1] کے مطابق آپؐ کو قتل نہیں کر سکا۔ اور یہ اتفاقی امر نہ تھا بلکہ قرآن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا وعدہ اس امر کا بزبانِ حال اعلان تھا کہ آپؐ ہی استثناء کی پیشگوئی کے حقیقی مصداق ہیں پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بعثتِ محمدیہؐ سے انیس سو سال پہلے یہ خبر دیدی تھی کہ آخری زمانہ میں اُن جیسا ایک مامور آئے گا جو آنحضرت صلعم کے حق میں بڑی شان سے پوری ہوئی[2]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اس پیشگوئی کے پورا ہونے کے بارہ میں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ تین عظیم الشان کاموں کا ذکر کرتے ہوئے (جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کئے) یعنی (۱) دشمن کو ہلاک کرنا اور (۲) شریعت اور (۳) بادشاہت قوم کو عطا کرنا فرماتے ہیں:۔

"..... اب دیکھو کہ کیسی صفائی اور روشنی سے یہ پیشگوئی سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں پوری ہوگئی ہے اور ایسی صفائی سے پوری ہوگئی ہے کہ اگر مثلاً ایک ہندو کے سامنے بھی جو عقلِ سلیم رکھتا ہو یہ دونوں تاریخی واقعات رکھے جائیں یعنی جس طرح موسیٰؑ نے اپنی قوم کو فرعون کے ہاتھ سے نجات دی اور پھر سلطنت بخشی اور پھر ان وحشی لوگوں کو جو غلامی میں زندگی بسر کر رہے تھے ایک شریعت بخشی اور جس طرح سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غریبوں اور کمزوروں کو جو آپؐ پر ایمان لائے تھے عرب کے خونخوار درندوں سے نجات دی اور سلطنت عطا کی اور پھر اس وحشیانہ حالت کے بعد ایک شریعت عطا کی تو بلاشبہ وہ ہندو دونوں واقعات کو ایک ہی رنگ میں سمجھے گا اور ان کی مماثلت کی گواہی دیگا"[1]

مماثلت کی حکمت

اس جگہ یہ سوال بھی اہم ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مماثلت کی حکمت کیا تھی؟ اور پھر ان حکمتوں کا صرف ان نبیوں میں پورا ہونا بھی ان کے

۱؎ مائدہ ۔ ۲؎ دیباچہ تفسیر القرآن صفحہ ۷ تا ۱۲

۱؎ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۲۰-۱۲۱

باہم مثیل ہونے کی دلیل ہوگا۔

اوّل۔ ان دونوں سلسلوں کی مماثلت کی ایک وجہ وہ اصول ہے جو قرآن شریف نے بیان فرمایا کہ کائنات کی ہر چیز جوڑا جوڑا پیدا کی گئی ہے چنانچہ فرمایا:۔

(۱) وَخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا (۲) سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ ؁

(۱) یعنی ہم نے تم کو جوڑا جوڑا بنایا ہے (۲) پاک ہے وہ ذات جس نے ہر قسم کے جوڑے پیدا کئے ہیں اس میں سے بھی جس کو زمین اگاتی ہے اور خود اُن کی جانوں میں سے بھی اور اُن چیزوں میں سے بھی جن کو وہ نہیں جانتے۔

حضرت اقدس نے اس حکمت کو اِس طرح بیان بیان فرمایا ہے:۔

"جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمام جوڑوں کو پیدا کیا ہے اُسی طرح سلسلہ اسماعیلیہ کو سلسلہ اسرائیلیہ کا زوج (جوڑا) بنایا ہے۔ اور یہ وہ امر ہے جسے قرآن شریف نے بیان کیا ہے۔"[۳]

دونوں سلسلوں کی مشابہت کی دوسری حکمت بھی ایک دوسرے قانون سے بندھی ہوئی ہے اور وہ یہ کہ ناشکری کرنے والوں سے خدا تعالیٰ اپنا انعام واپس لے لیتا ہے

[۱] النبأ: ۹ [۲] یٰسٓ: ۳۶ [۳] ترجمہ از عربی خطبہ الہامیہ صفحہ ۷۶

چنانچہ فرمایا:۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ[۴]

"اور اس وقت کو یاد کرو جب تمہارے ربّ نے (انبیاء کے ذریعہ) اعلان کیا تھا کہ اے لوگو! اگر تم شکرگزار بنے تو میں تمہیں اور بھی زیادہ دوں گا اور اگر تم نے ناشکری کی تو (یاد رکھو) میرا عذاب یقیناً سخت (ہوا کرتا ہے)"

حضرت اقدس ...... نے یہ مضمون اِس طرح بیان فرمایا ہے:۔

"اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور نبیوں کو بھیج کر بنی اسرائیل پر احسان کیا لیکن انہوں نے نبیوں کی نافرمانی کی۔ ایک فریق کا اُنہوں نے انکار کیا اور دوسرے کو قتل کرتے تھے پس اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ اُن سے اپنی نعمت چھین لے اور ایک دوسری قوم کو دے دے پھر دیکھے کہ وہ کس طرح عمل کرتے ہیں۔ پس اُس نے بنی اسماعیل کی قوم سے مثیلِ موسیٰ کو بھیجا۔"[۵]

سلسلہ موسویہ و محمدیہ کی مماثلت کی تیسری حکمت یہ سنت الٰہی

[۴] ابراہیم: ۸ [۵] ترجمہ از عربی خطبہ الہامیہ صفحہ ۷۶

ہے کہ جب کوئی قوم اپنے گناہوں کی وجہ سے ہلاک ہو جاتی اور صفحۂ ہستی سے مٹا دی جاتی ہے تو اس کے بعد خدا تعالیٰ دوسری قوم کو اُن کی جگہ کھڑا کر دیتا ہے۔ چنانچہ پہلی قوموں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"کیا انہیں معلوم نہیں کہ ان سے پہلے کتنے ہی زمانوں (کے لوگوں) کو جنہیں ہم نے زمین میں طاقت بخشی تھی..... ہلاک کر دیا..... اور ان کے بعد اور نسل پیدا کر دی"[1]

اسی طرح مسلمانوں کو تنبیہہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"اگر تم (بھی) پھر جاؤ تو (اللہ) تمہاری جگہ ایک اور قوم کو بدل کر لے آئے گا"[2]

حضرت اقدس...... نے یہ مضمون اس طرح بیان فرمایا ہے:۔

"اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو پہلی قوموں کے ہلاک کرنے کے بعد چُن لیا اور اُن کو تورات دی..... اور (پھر) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود کی ہلاکت اور تباہی کے بعد چُنا۔ پس بلاشک وشبہ سلسلہ موسویہ اور سلسلہ محمدیہ ایک دوسرے کے بالمقابل ہیں اور یہی خدا کا ارادہ تھا"[3]

ان سلسلوں کی مشابہت کی چوتھی حکمت کائنات کا مقصود خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود ہے کہ آپ پیدا نہ ہوتے تو یہ افلاک نہ ہوتے اور آپ پیدائش آدمؑ سے پہلے بھی خاتم النبیین تھے ——

پس سلسلہ موسوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ کے لئے بطور ارہاص کے تھا جیسا کہ قرآن شریف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اِس بیان سے معلوم ہوتا ہے جس میں ذکر ہے لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا[4] کہ مَیں (جس راستے پر جا رہا ہوں اُس پر قائم رہنے سے) نہیں ٹلوں گا یہاں تک کہ ان دونوں سمندروں کے اکٹھا ہونے کے مقام پر پہنچ جاؤں یا صدیوں تک چلتا جاؤں۔

حضرت مصلح موعود کی تفسیر کے مطابق یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معراج اور لطیف کشف کا ذکر ہے جس میں انہوں نے اپنے ہونے والے نائب مسیح اور اپنی جگہ لینے والے شرعی رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دیکھا۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"اِس مجمع البحرین سے مراد درحقیقت وہ زمانہ تھا جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ ختم ہوا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ شروع ہوا..... اِس رؤیا میں اِس طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ موسوی سلسلہ محمدی سلسلہ کے لئے

---

[1] الانعام: ۷ [2] محمد: ۳۹ [3] ترجمہ از عربی خطبہ الہامیہ ص۸

[4] کہف: ۶۱

بطور راہاص ہے اور آخر یہ سمندر اس سمندر میں جا کر مل جائے گا۔[۱]"

پانچویں حکمت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مماثلت کی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی نسل سے برکاتِ الٰہیہ کے وعدے تھے اور فرمایا تھا کہ "مَیں اپنے اور تیرے درمیان عہد کرتا ہوں کہ مَیں تجھے نہایت بڑھاؤں گا .... اور تو بہت قوموں کا باپ ہو گا۔[۲]"

پھر لکھا ہے :-

"مَیں تجھے برکت پر برکت دوں گا۔
.... اور تیری نسل کے وسیلہ سے زمین کی سب قومیں برکت پائیں گی۔[۳]"

اس لئے ضروری تھا کہ اسرائیلی سلسلہ جو اسحاق کی اولاد سے تھا ختم ہو اور ان کے متقابل ہم پلّہ اور برابر دوسرا سلسلہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے شروع ہوتا تا ان سے برکات کے وعدے پورے ہوں۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود اس حقیقت کو یوں بیان فرماتے ہیں :-

"ابراہیمؑ نے دو بیٹوں کے متعلق خبر دی تھی۔ ایک اسحاقؑ کی جس میں سے موسیٰؑ نے سلسلہ کی بنیاد رکھی دوسرے اسماعیل کی۔ موسوی سلسلہ کو کبھی ختم ہونا چاہیئے تھا تا کہ اسماعیلی سلسلہ کے وعدے شروع ہوتے ... وہ وعدے جو اسحاقؑ کے ساتھ کئے گئے تھے پورے ہو گئے .... اور .... جو ابراہیمؑ کے دوسرے بیٹے اسماعیلؑ کے متعلق کئے گئے تھے .... انہی وعدوں کے مطابق اسماعیلؑ کی نسل میں سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے ہیں۔[۱]"

چھٹی حکمت اس مماثلت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام اور مرتبہ کا اظہار ہے اور وہ اس طرح کہ دنیا میں جتنے نبی گزرے ہیں ان میں معروف نبی موسوی سلسلہ کے انبیاء ہی ہیں۔ اسرائیلی انبیاء (جن کی تاریخ ایک حد تک محفوظ ہے) کے سردار حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں پس اس مماثلت کے بیان سے اُمتِ موسویہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور آپؐ کے مقام سے روشناس کرانا تھا اور ان کو باور کرانا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام جنہیں تم سب نبیوں سے افضل رسول جانتے ہو رسولؐ اللہ بھی ویسی ہی شان اور عظمت کے حامل ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ چنانچہ دوسری جگہ اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ[۲] میں یہ مضمون بیان فرمایا کہ جو چیز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی وہ دوسروں سے بڑھ کر ہے، اور جیسا کہ ہم ان مماثلتوں کے ذکر میں بھی دیکھیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر ثابت ہوتے ہیں۔[۳]

---

۱ تفسیر سورۂ بنی اسرائیل تا کہف صـ۲۰۱
۲ پیدائش ۱۷/۱ ۳ پیدائش ۲۲/۱۹

---

۱ تفسیر کبیر جلد چہارم صـ ۲۶۳-۲۶۴ ۲ الکوثر: ۲
۳ دیکھیں تفسیر کبیر جلد ۶ جزء ۴ حصہ ۳ صـ ۳۶۹

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مماثلتِ تامّہ اور افضلیّت

یہاں ایک اور سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء کی باہم مشابہتیں تو اکثر پائی جاتی ہیں اور پھر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں (جو تمام نبیوں کے فضائل کے جامع ہیں) سب سے زیادہ یہ مشابہتیں پائی جاتی ہیں۔ بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت یوسف علیہ السلام سے مشابہتوں کا ذکر جو سورۂ یوسف میں ہے (اس کی روشنی میں حضرت مصلح موعود نے تفسیر کبیر میں چودہ مشابہتوں کا ذکر فرمایا ہے) پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مماثلت کی کیا خصوصیت ہوئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک دوسرے نبیوں سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض مشابہتیں ہیں لیکن ان کے مقابل پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیفیّت و کمیّت کے اعتبار سے آپ کو ایسی مشابہت ہے جسے مماثلتِ تامّہ کہنا چاہیئے۔ لیکن جیسا کہ مماثلت کے لفظ سے ظاہر ہے اس سے مراد ایک چیز کے دوسری سے مشابہ اور مانند ہونے کے ہوتے ہیں لیکن کسی کا مثیل بعینہٖ وہ وجود نہیں ہو جاتا جس سے اسے مماثلت ہو بلکہ اس سے کچھ مغائرت ضرور رکھتا ہے۔ پس جب حضرت موسیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشابہتوں کا مقابلہ ہو تو دونوں میں مماثلتِ تامّہ کے باوجود یہ دیکھنا ضروری ہے کہ چونکہ مماثلت بعض لحاظ سے مغائرت کو بھی چاہتی ہے۔ پس اس پہلو سے دونوں نبیوں میں کچھ نہ کچھ فرق اور مغائرت بھی ہونی چاہیئے۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ فرق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیّت کا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مماثلتِ تامّہ رکھنے کے باوصف آپؐ ان سے افضل ہیں۔ حضرت اقدس ...... فرماتے ہیں:۔

"ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مثیلِ موسیٰ ہیں ..... اور ظاہر ہے کہ مماثلت سے مراد مماثلتِ تامّہ ہے نہ کہ مماثلتِ ناقصہ۔ کیونکہ اگر مماثلتِ ناقصہ مراد ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی خصوصیت باقی نہیں رہتی۔ وجہ یہ کہ ایسی مماثلت والے بہت سے نبی ثابت ہوں گے، جنہوں نے خدا تعالیٰ کے حکم سے تلوار بھی اُٹھائی اور حضرت موسیٰؑ کی طرح جنگ بھی کئے اور عجیب طور پر فتحیں بھی حاصل کیں مگر کیا وہ اس پیشگوئی کے مصداق ٹھہر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ غرض ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیّت اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ جب مماثلت سے مماثلتِ تامّہ مراد ہو۔[۱]"

نیز فرمایا:۔

"اور ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وہ سب کچھ دیا گیا جو حضرت موسیٰ

---

[۱] شہادۃ القرآن ص۲۶

علیہ السلام کو عطا ہوا تھا اور اس سے
زائد بھی (آپ کو ملا)۔"[1]

اسی طرح فرمایا :۔

"موسیٰؑ نے وہ متاع پائی جس کو قرونِ
اولیٰ کھو چکے تھے۔ اور حضرت محمد صلی اللہ
علیہ وسلم نے وہ متاع پائی جس کو موسیٰؑ کا
سلسلہ کھو چکا تھا۔ اب محمدی سلسلہ موسوی
سلسلہ کے قائم مقام ہے مگر شان میں ہزار
درجہ بڑھ کر۔ مثیلِ موسیٰ موسیٰؑ سے بڑھ کر۔"[2]

اس جگہ ہم ان دونوں عظیم الشان نبیوں کی صرف تین
مماثلتوں کا ذکر کریں گے جن میں آنحضرتؐ کی افضلیت کا پہلو
بھی مدِّ نظر رکھا جائے گا۔

پہلی مماثلت :۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل
کے لئے ایک شریعت عطا کی گئی۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کو بھی اپنی قوم کے لئے شریعت عطا کی گئی۔ اس
مشابہت کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ
وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ
الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝
وَآتَيْنَاهُمْ بَيِّنَاتٍ مِنَ الْأَمْرِ .....
ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِنَ
الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا[3]

یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور
حکومت اور نبوت بخشی تھی اور
پاکیزہ چیزوں میں سے رزق عطا فرمایا تھا
اور اپنے زمانہ کے لوگوں پر ان کو فضیلت
بخشی تھی اور ہم نے ان کو کھلی کھلی شریعت
عطا کی تھی ..... اور ہم نے تجھ کو شریعت
کے ایک طریقے پر مقرر کیا ہے پس تُو اس
کے پیچھے چل۔

حضرت اقدس ... نے سلسلۂ اسماعیلیہ (یعنی سلسلۂ
محمدیہ) کو سلسلۂ اسرائیلیہ (موسویہ) کا زوج (جوڑا) قرار
دے کر فرمایا ہے کہ یہ وہ امر ہے جسے قرآن شریف نے بیان
فرمایا ہے اور آپ ثبوت کے طور پر آیاتِ مندرجہ بالا
پیش کر کے فرماتے ہیں کہ دیکھو یہاں اللہ تعالیٰ نے کس طرح
دو متقابل اور متساوی سلسلوں کا ذکر فرمایا ہے۔[1]

اسی طرح فرماتے ہیں

"موسیٰؑ نے ایک نادان قوم کو جو خدا
اور اس کی کتابوں سے ناواقف تھی کتاب
اور خدا کی شریعت دی یعنی توریت عنایت
کی اور ان میں شریعت کی بنیاد ڈالی۔
..... اور ہم جبکہ دیکھتے ہیں کہ کس طرح
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ..... ان
لوگوں کو جو صدہا سال سے وحشیانہ حالت
میں بسر کر رہے تھے ایک نئی شریعت

۱؎ ترجمہ از عربی خطبہ الہامیہ صفحہ ۶۔ ۲؎ کشتی نوح صفحہ ۲۰، ۲۱
۳؎ الجاثیہ : ۱۷ تا ۱۹۔

۱؎ دیکھیں خطبہ الہامیہ ترجمہ از عربی صفحہ ۶

عطا کی ..... تو بلا تکلف موسیٰؑ کے زمانہ کا نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے[۱]۔"

اس مماثلت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا یہ پہلو قابلِ ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک ایسی قوم کی طرف شریعت لائے تھے جو متمدن تھی۔ اور چونکہ بنی اسرائیل بھی اس کے ساتھ رہتے تھے اس لئے اسرائیلی قوم بھی پڑھی لکھی متمدن تھی۔ اور ظاہر ہے ایسے لوگوں کو دینی علوم سکھانا زیادہ آسان تھا۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قوم کو شریعت دی جو غیر متمدن اور ظاہری علوم سے بالکل ناآشنا تھی۔

قرآن شریف میں آنحضرتؐ کی قوم کے بارہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ[۲]

کہ ان سے پہلے کتنے زمانوں (کے لوگوں) کو جنہیں ہم نے زمین میں اتنی طاقت بخشی تھی جتنی طاقت تمہیں نہیں بخشی ہلاک کر دیا۔

اور فرمایا کہ وہ لوگ اُن سے زیادہ طاقتور اور نشانات و آثار کے لحاظ سے اور زمین کو آباد کرنے کے اعتبار سے ان عربوں سے بڑھے ہوئے تھے[۳]۔

اور تاریخ اس پر شاہد ہے کہ مصری تمدن اُس زمانہ میں بڑے عروج پر تھا۔ پس باوجودیکہ حضرت موسیٰ نسبتاً ایک متمدن قوم کی طرف شریعت لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک اُمّی قوم کے معلم بنے لیکن آپؐ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر کامیاب ہوئے جس سے آپؐ کی شریعت کی تاثیرات و برکات کی افضلیت بھی ثابت ہے[۴]۔

ایک ضمنی مماثلت کا ذکر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت تورات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت قرآن شریف میں بعض مشابہتیں پائی جاتی ہیں جن کی طرف اس آیت میں بھی اشارہ ہے وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ[۵] یعنی جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک کتاب آئی جو اس (کتاب) کے بعض حصوں کو جو اُن کے پاس ہے سچا کرنے والی ہے۔ اسی طرح فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ[۶] اور فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ[۷] میں بھی اشارہ ہے۔

چنانچہ تورات کے استثناء باب ۵ میں جو احکام بیان کئے گئے ہیں یعنی خدا کی توحید، والدین کی عزت، خون نہ کرنا، زنا نہ کرنا، چوری نہ کرنا، جھوٹی گواہی نہ دینا وغیرہ یہ سب قرآن شریف میں موجود ہیں۔ اسی طرح حِلّت و حُرمت، طہارت و نجاست، قوانینِ عبادت، احکامِ معاملات میں بھی اِن دونوں شرائع میں دوسری شریعتوں کی نسبت بہت زیادہ مشابہت ہے۔

۱؎ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۲۲-۱۲۳ ۲؎ الانعام: ۷ ۳؎ الروم: ۱۰ و المؤمن: ۲۲

۱؎ دیکھیں تفسیر کبیر جلد ۶ - جزء ۴ حصہ ۲ صفحہ ۳۷۰-۳۷۱

۲؎ البقرہ: ۹۰ ۳؎ البیّنہ: ۴ ۴؎ الانعام: ۹۱

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی خصوصیت

اس مماثلت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا ایک اور پہلو بھی نمایاں ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب ملی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایک کتاب ملی مگر فرق یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو کتاب ملی باوجود اس کے کہ ان کے بعد متواتر نبی آئے وہ محفوظ نہ رہ سکی لیکن محمد رسول اللہ کو جو کتاب ملی باوجود اس کے کہ آپؐ کے بعد تیرہ سَو سال تک کوئی نبی نہیں آیا وہ اب تک محفوظ چلی آرہی ہے۔[1]

دوسری مماثلت:۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دشمن کو جس طرح خدا نے ہلاک کیا اور ان کی قوم کو نجات دی اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو بھی ہلاک اور آپؐ کے ماننے والوں کو اُن کے دشمنوں سے بچایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ[2] قریب ہے کہ تمہارا ربّ تمہارے دشمن کو تباہ کرے۔

قرآن شریف میں دوسرے مقامات پر اس وعدہ کے پورا ہونے کا ذکر کیا گیا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی قوم کو فرعون سے بچا کر سمندر پار کروا دیا اور فرعون اور اس کے لشکروں کو غرق کر دیا جو الٰہی نصرت کا ایک زبردست نشان تھا۔

حضرت اقدس ...... فرماتے ہیں:۔

"موسیٰ نبی کے زمانہ میں فرعون کے دل میں یہی خیال سما گیا تھا کہ موسیٰ جھوٹا اور مفتری ہے۔ آخر خدا نے اُس کو مع اُس کی فوج کے دریائے نیل میں غرق کر کے یہ ثابت کر دیا کہ فرعون جھوٹا اور موسیٰ سچا ہے۔"[1]

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو بھی ہلاک کیا گیا جس کا ذکر اس آیت میں بھی کیا گیا ہے جو غزوہ بدر میں سرداران قریش کی ہلاکت سے تعلق رکھتی ہے۔ فرمایا وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ[2] کہ اللہ چاہتا تھا کہ وہ حق کو اپنے احکام کے ذریعہ سے پورا کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی ہلاکت کا یہ وعدہ بڑی شان سے پورا فرمایا۔ آپؐ جب میدانِ بدر میں تشریف لائے تو دشمنانِ اسلام کی ہلاکت کا منظر کشفاً آپؐ کو دکھایا گیا۔ آپؐ نے فرمایا خدا کی قسم گویا اس وقت مَیں وہ جگہیں دیکھ رہا ہوں جہاں دشمن قتل ہو ہو کر گریں گے۔[3] ابوجہل اسی جنگ میں مارا گیا۔ حضرت اقدس ......، فرعونِ اُمت ابوجہل کی ہلاکت کے بارہ میں فرماتے ہیں:۔

"اور پھر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور اس زمانہ کے شریر اور

---

۱ دیکھیں تفسیر کبیر جلد ۶ جزء ۴ حصہ ۳ صفحہ ۳۷۲-۳۷۳ ۲ الاعراف: ۱۳۰

۱ چشمۂ معرفت صفحہ ۱۲۶ ۲ انفال ۸ ۳ ابن ہشام۔ ابن سعد

حرامکار لوگ آنجناب کے دشمن ہو گئے اور
مفتری اور کذّاب سمجھنے لگے۔ یہاں تک کہ
بدر کی لڑائی کے وقت میں ایک شخص ....
ابوجہل .... جو کفّار قریش کا سردار اور
سرغنہ تھا ان الفاظ میں دعا کی کہ اَللّٰھُمَّ
مَنْ کَانَ مِنَّا اَفْسَدُ فِی الْقَوْمِ وَ
اَقْطَعُ لِلرَّحِمِ فَاَحِنْہُ الْیَوْمَ
یعنی اے خدا جو شخص ہم دونوں میں سے
[اس لفظ سے مراد اپنے نفس اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو لیا] تیری نگاہ میں ایک
مفسد آدمی ہے اور قوم میں پھوٹ ڈال
رہا ہے اور باہمی تعلقات اور حقوقِ قومی
کو کاٹ کر قطع رحم کا موجب ہو رہا ہے آج
اس کو تو ہلاک کر دے ..... اس دعا کے
بعد شاید ایک گھنٹہ بھی زندہ نہ رہ سکا اور
خدا کے قہر نے اسی مقام میں اس کا سر کاٹ
کر پھینک دیا۔"[5]

بدر میں قریش کے اور کافی سردار مارے گئے۔ ان سرداران
قریش کی ہلاکت کا نقشہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے
اس طرح کھینچا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:-

مسلمانوں نے ستّر قیدی پکڑے اور جب
لڑائی کے بعد مقتولین کی دیکھ بھال کی گئی
تو معلوم ہوا کہ یہی تعداد قریش کے مقتولین
کی تھی اور جب مقتولین کی شناخت ہوئی
تو قرآنی آیت وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْکَافِرِیْنَ
کی ہیبت ناک تفسیر آنکھوں کے سامنے تھی
یعنی تمام بڑے بڑے رؤسائے قریش
خاک میں ملے پڑے تھے اور جو دو ایک
رئیس بچے تھے وہ مسلمانوں کے ہاتھ میں
قیدی تھے ..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا کہ رؤساء قریش کو ایک
جگہ جمع کر کے دفن کر دیا جائے۔ چنانچہ ایک
گڑھے میں چوبیس رؤساء کی لاشوں کو
اکٹھا کر کے دفنا دیا گیا۔"[6]

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن کی ہلاکت
کی پیشگوئی بڑی شان سے پوری ہوئی جس کی طرف کما
اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا کے الفاظ میں اشارہ
کیا گیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی دوسرے کلیم اللہ
ہیں اور دوسرے فرعونوں کی سرکوبی کے لئے آئے ہیں۔
سو ایسا ہی ظہور میں آیا۔ چنانچہ حضرت اقدس .....
فرماتے ہیں:-

"موسیٰ نے اس دشمن کو ہلاک کیا جو اس کی
اور اس کی شریعت کی بیخ کنی کرنا چاہتا تھا
..... اور اپنی قوم کو فرعون کے ہاتھ
سے نجات دی ..... جس طرح سیدنا
محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غریبوں

---

۵ چشمۂ معرفت ص ۱۶۶-۱۶۷

۶ سیرت خاتم النبیین حصہ دوم ص ۱۵۱-۱۵۲

اور کمزوروں کو جو آپؐ پر ایمان لائے تھے عرب کے خونخوار درندوں سے نجات دی[۱]۔"

اسی طرح فرمایا:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیخ کنی کے لئے قریش نے کس قدر زور لگایا۔ وہ ایک قوم تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا مگر دیکھو کون کامیاب ہوا اور کون نامراد رہے[۲]۔"

نیز فرمایا:۔

"آپؐ ہر میدان میں مظفر و منصور ہوئے آپؐ کے دشمن آپؐ پر کبھی قابو اور غلبہ نہیں پا سکے اور آپؐ کے سامنے ہی ہلاک ہوئے[۳]۔"

تیسری مماثلت:۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو جو ذلّت کی زندگی بسر کرتے تھے حکومت اور بادشاہت عطا کی اور اُن میں سے بادشاہ ہوئے۔ جیسے فرمایا:۔

(۱) فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا۝[۴]

ہم نے ابراہیمؑ کی اولاد کو بھی کتاب اور حکمت دی تھی اور ہم نے ان کو بڑی حکومت بھی دی تھی۔

(۲) يَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ۝[۵]

موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو تباہ کرے اور ملک میں تم کو اپنا جانشین بنا دے پھر وہ دیکھے تم کیسے عمل کرتے ہو

اور اسی طرح مسلمانوں کو مخاطب کر کے خلافت و بادشاہت عطا کرنے کا ذکر بھی انہی الفاظ میں فرمایا:۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ۝[۶]

(کہ پہلی قوموں کو ہلاک کرنے کے بعد اے مسلمانو!) ہم نے تمہیں زمین میں جانشین بنایا تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

حضرت اقدس..... فرماتے ہیں:۔

"جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو..... سلطنت بخشی اور..... جس طرح سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غریبوں اور کمزوروں کو جو آپؐ پر ایمان لائے تھے..... بعد ایامِ ذلّت اور غلامی کے سلطنت عطا فرمائی تو بلا تکلف موسیٰؑ کے زمانہ کا نقشہ

---

[۱] تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۲۰-۱۲۳ [۲] الحکم ۱۷ر جنوری ۱۹۰۷ء صفحہ ۱
[۳] الحکم ۳۱ر مارچ ۱۹۰۲ء صفحہ ۵ [۴] النساء: ۵۵

[۵] الاعراف: ۱۳۰ [۶] یونس: ۱۵

ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے"۔[1]

اس مماثلت میں بھی ایک نمایاں امتیازی خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہر ہوتی ہے اور وہ یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو بادشاہت عطا کرنے کا مشروط وعدہ اُن کی نافرمانی کی وجہ سے تاخیر میں ڈال دیا گیا تھا اور چالیس سال صحرا نوردی اور جنگلوں کی خاک چھاننے کے بعد حضرت موسیٰؑ کے پہلے خلیفہ یشوع بن نون کے زمانہ میں بنی اسرائیل کو حکومت ملی[2] لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں دشمنوں کے مُلک پر قابض ہو گئے اور خود بادشاہت کا زمانہ دیکھا۔ اور یہ آپ کی موسیٰ علیہ السلام پر برتری ہے[3] حضرت اقدس .... فرماتے ہیں :-

"پس خدا تعالیٰ نے اس ملک (عرب، ناقل) پر رحم کرکے .... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مُلک کے لئے نہ صرف رسول کرکے بھیجا بلکہ اس ملک کا بادشاہ بھی بنا دیا۔ .... سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت ایک بادشاہ ہونے کے تمام فرقوں کے حاکم تھے اور ہر ایک مذہب کے لوگ اپنے مقدمات آپؐ سے فیصلہ کراتے تھے"[4]

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مماثلتیں قرآن شریف سے اور بھی بہت سی معلوم ہوتی جن کے لئے الگ ایک مبسوط مضمون لکھا جاسکتا ہے لیکن اس مضمون میں بعض اور ضروری حصّے شامل ہو جانے کے باعث صرف تین بنیادی مشابہتیں بیان کی جاسکی ہیں۔

اب اس حصّۂ مضمون کو حضرت اقدس ..... کی ایک مبارک تحریر پر ختم کرتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں :-

"یہودیوں کی کتب مقدسہ میں نہایت صفائی سے بیان کیا گیا ہے کہ موسیٰؑ کی مانند ایک منجّی اُن کے لئے بھیجا جائے گا یعنی وہ ایسے وقت میں آئے گا کہ جب قوم یہود فرعون کے زمانہ کی طرح سخت ذلّت اور دُکھ میں ہو گی اور پھر اس منجّی پر ایمان لانے سے وہ تمام دُکھوں اور ذلّتوں سے رہائی پائیں گے تو کچھ شک نہیں کہ یہ پیشگوئی جس کی طرف یہود کی ہر زمانہ میں آنکھیں لگی رہی ہیں وہ ہمارے سیّد و مولیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کے ذریعہ سے توریت کی پیشگوئی کمال وضاحت سے پُوری ہو گئی کیونکہ جب یہودی ایمان لائے تو اُن میں سے بڑے بڑے بادشاہ ہوئے۔ یہ اس بات پر دلیل واضح ہے کہ خدا تعالیٰ نے اسلام لانے سے اُن کا گناہ بخشا اور اُن پر رحم کیا جیسا کہ توریت میں وعدہ تھا"[5]

---

[1] تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۲۲-۱۲۳ [2] یشوع باب ۱۲ [3] دیکھیں تفسیر کبیر جلد ۶ جزو دوم حصہ ۳ صفحہ ۳۷۶ [4] چشمۂ معرفت ۲۳۱-۲۳۲

[5] ایام الصلح صفحہ ۶۶-۶۹

"مَیں ہُوں مشتاقِ جفا مجھ پہ جفا اَور سہی"

(مکرم راجہ نذیر احمد صاحب ظفر)

مَیں ہُوں مشتاقِ جفا مجھ پہ جفا اَور سہی
محشر اِک اَور سہی کرب و بَلا اَور سہی

سُرخ پھر خونِ شہیداں سے ہوئی ہے دھرتی
دستِ گیتی کے لئے رنگِ حنا اَور سہی

روکے جاتے ہیں خدا والے خدا کے گھر سے
یہ ستم باقی تھا اب بہرِ خدا اَور سہی

وصل اور ہجر مداوائے محبت دونوں
اِک دَوا اَور سہی، ایک دُعا اَور سہی

تھام لیتے ہیں جو وہ اپنی کریمی سے مجھے
اِک خطا اَور سہی لغزشِ پا اَور سہی

ہیں میرے شمس و قمر میرے محمدؐ و احمدؑ
مہروش اَور سہی، ماہ لقا اَور سہی

اپنا ہر زخم بنا وجہِ صلوٰۃ اور درود
نعرۂ صَلِّ عَلیٰ، صَلِّ عَلیٰ اَور سہی

شعر تو مَیں نے بھی پابندِ زمیں لکھے ہیں
رنگِ دیگر ہی سہی طرزِ ادا اَور سہی

امریکہ کے مشہور شہر سانفرانسسکو کی سیر

(جناب مسعود احمد خان صاحب دہلوی ربوہ)

امریکہ والے کہتے ہیں اور اپنی دانست میں صحیح کہتے ہوں گے کہ ہر شخص کو دو شہر ضرور عزیز ہونے چاہئیں، ایک اُس کا اپنا آبائی شہر اور ایک سانفرانسسکو۔ میرے سان گمان میں بھی نہ تھا کہ قسمت یاوری کرے گی اور مَیں کبھی اپنے شہر یعنی شہر ربوہ سے دس بارہ ہزار میل دُور سان فرانسسکو میں جا وارد ہوں گا۔ واقعی اَنہونی بات ہوئے بغیر نہ رہی۔ زندگی میں ایک دن ایسا بھی آیا کہ مان نہ مان مَیں تیرا مہمان کا مصداق بن کر مَیں اُس شہرِ انجان میں جابراجمان ہؤا۔ اپنے آپ کو وہاں مہمان پاکر پہلے پہل تو جی بہت خوش ہؤا کہ اُس شہر کو دیکھنے کا موقع ملے گا جسے ہر امریکی جی جان سے چاہتا ہے لیکن جب اُسے گھوم پھر کر دیکھنے کا اتفاق ہؤا تو اوسان خطا ہوئے اور سٹی گُم ہوئے بغیر نہ رہی۔ اس خلجان میں ہی جان گھُلتی رہی کہ بلائے جان قسم کا یہ شہرِ گنجان اِس جہان سے اُس جہان میں پہنچائے اور وہاں کی سَیر کرائے بغیر نہ رہے گا۔

بات ہے یہ ۱۳ر ستمبر ۱۹۸۰ء کی۔ لیکن قبل اِس کے کہ مَیں اُس روز کی اصل واردات بیان کروں کچھ حال سانفرانسسکو کے محلِّ وقوع اور وہاں کی سطحِ زمین کے غیر معمولی نشیب و فراز کا سُن لیجئے تاکہ آپ واردات کی مہیب نوعیت کا بخوبی اندازہ لگا سکیں۔ سانفرانسسکو بحرالکاہل کے مشرقی سرے یعنی ریاستہائے متحدہ امریکہ کے مغربی ساحل پر اس کے قریباً وسط میں واقع ہے۔ اس کے محلِ وقوع کی خاص بات یہ ہے کہ ساحل پر واقع ہونے کے باوجود یہ تین اطراف میں سمندر سے گھرا ہؤا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آپ خیال کریں کہ شہر خشکی کے ایسے قطعہ پر واقع ہو گا جو مداخلتِ بے جا کے طور پر سمندر کے اندر دُور تک گھُستا چلا گیا ہو گا اور اِس طرح تین اطراف اِس کی سمندر سے گھری ہوئی ہوں گی۔ نہیں، بات ایسی نہیں بلکہ اِس کے برعکس یوں ہے کہ بحرالکاہل اپنی برائے نام کاہلی کے باوجود دیسینہ زوری کا مظاہرہ کرتے ہوئے خشکی کے اندر گھُستا اور بے محابا دندناتا چلا آیا ہے۔ اور اُس نے اِس شہر کو تین اطراف سے اپنے نرغہ میں لے رکھا ہے اس جگہ ساحل کٹا پھٹا نہیں بلکہ سیدھا اور سپاٹ ہے البتہ ایک مقام پہ سمندر نے ساحل کو کچھ اِس طرح پھاڑا ہے یا ساحل خود ہی کچھ اِس طرح پھٹا اور پھٹتا چلا گیا ہے کہ اس میں ایک بہت وسیع و عریض اور بہت ہی گہری کھاڑی بنتی چلی گئی ہے۔ اِس کھاڑی میں سے سمندر کا مُنہ زور پانی اِس تیزی سے خشکی کے اندر داخل ہوتا ہے کہ الامان والحفیظ۔ اندر داخل ہونے اور بہت وسیع علاقہ میں پھیلنے کے بعد پانی خاصے فاصلہ پر واقع مٹی کے دیو قامت مہیب ٹیلوں کے ایک طویل سلسلہ سے ٹکرا کر دائیں طرف مُڑتا اور ایک بہت وسیع و عریض جھیل یا خلیج کی شکل میں میلوں میل پھیلتا چلا گیا ہے۔ یہ جھیل کیا ہے خود ایک سمندر ہے۔ سو گویا سانفرانسسکو کے ایک طرف یعنی مغرب میں تو ہے ہی بحرِ ذخّار جسے عُرفِ عام میں بحرالکاہل کہتے ہیں۔ شمال میں ہے مہیب کھاڑی اور اُس میں سے داخل ہونے والا مُنہ زور و پُرشور پانی۔ مشرق میں چھائی ہوئی ہے لمبی چوڑی سمندری جھیل۔ اِس طرح شمالی، مغربی اور مشرقی ہر سہ اطراف شہر کی سمندر

سے گھری ہوئی ہیں جھیل کے اُس پار اس کے مشرقی کنارہ پر اوک لینڈ کا شہر آباد ہے اور اس کے مغربی کنارہ پر ساحل سمندر کی جانب سانفرانسسکو کا شہر چاروں اطراف میں سات سات میل تک پھیلا ہؤا ہے ۔

سمندری جھیل کا پانی نسبتاً پُرسکون ہے اس لئے اس پر فاصلہ فاصلہ سے شیطان کی آنت کی طرح لمبے یا یوں ہمہ بہت خوبصورت تین چار پل بنے ہوئے ہیں جو ایک طرف سانفرانسسکو اور دوسری طرف اوک لینڈ کے درمیان ملاپ کا کام دیتے ہیں ۔ شہر کے شمالی جانب مہیب کھاڑی کے آر پار ایک بہت ہی خوبصورت معلّق پل (Hanging Bridge) بنا ہؤا ہے ۔ یہ پل "گولڈن گیٹ برج" کے نام سے موسوم ہے جو شمالی علاقہ سے سانفرانسسکو کا ناطہ جوڑنے کا کام دیتا ہے ۔ یہ پل انجینئرنگ کا ایک شاہکار شمار ہوتا ہے ۔ سانفرانسسکو میں وارد ہونے والا ہر سیاح اور کچھ دیکھے نہ دیکھے یہ پل دیکھنے ضرور جاتا ہے ۔

چشم بد دور اس پل کی ایک اور وجہ شہرت بھی ہے اور وہ یہ کہ مستقبل بعید کے زمانوں کے لئے یہ آئے دن نت نئی لوک داستانوں کو جنم دینے کا اہم فرض انجام دیتا ہے اور آنے والے داستان گوؤں کے لئے نئے سے نیا مواد مہیا کرتا ہے ، تاکہ وہ لیلیٰ مجنوں ، شیریں فرہاد ، ہیر رانجھا ، سوہنی مہینوال اور مرزا صاحباں کے ماڈرن قصے گھڑ گھڑ کر آئندہ زمانوں کے لوگوں کے لئے تفریح طبع کا سامان سٹور کرتے چلے جائیں ۔ آپ سوچیں گے کہ یہ پل زمین آسمان کے قلابے ملانے اور بے پر کی اُڑانے والا داستان گو یا قصہ خواں کیسے بن بیٹھا ۔ سو بات یہ ہے کہ بحر الکاہل کا پانی مہیب کھاڑی میں داخل ہونے کے بعد اس پل کے نیچے سے اس تیزی اور قوت سے گزرتا ہے اور آگے دیو قامت مہیب ٹیلوں کے طویل سلسلہ سے ٹکرا کر اتنے بڑے بڑے اور اتنے دہشتناک گرداب بناتا ہے کہ سوائے قوی ہیکل پہاڑ نما بحری جہازوں کے اور کوئی چیز اُن میں ٹھہر نہیں سکتی ۔ یہ گرداب ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے کر اسے ایسا چکر دیتے ہیں کہ وہ سمندر کی تہہ میں جائے بغیر نہیں رہتی ۔ اِن کی لپیٹ میں آنے اور نیچے جانے کے بعد کسی بھی چیز کے اُبھرنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا ۔ جو بھی اِن میں سے کسی گرداب میں داخل ہؤا سمجھو کہ وہ اِس جہان سے ہمیشہ کے لئے گیا ۔ ڈوبا ہؤا اگر اُبھرتا ہے تو صرف اور صرف اگلے جہان ہی میں اُبھرتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ جو ناکام محبت بھی مجنوں ، فرہاد وغیرہ نامور عشاق کے زمرہ میں داخل ہونے کی تمنا کرتا ہے وہ اِس پل کی یاترا کر کے اپنے مقصد کو پا لیتا ہے ۔ وہ پل کے اُوپر پہنچ کر بیچ منجدھار کے چھلانگ لگاتا اور ایک ہی زقند میں اپنی لیلیٰ یا شیریں کے پہلو میں جا براجمان ہوتا ہے ۔ کوئی ایک بھی آج تک ایسا نہیں گزرا جس نے چھلانگ لگانے کے بعد یہ شکایت کی ہو ع

ڈوبنا چاہا تو دریا ملا پایاب مجھے

وہاں کے رہنے والے یہی گواہی دیتے ہیں ؎

موج نے ڈوبنے والوں کو بہت کچھ پلٹا
رُخ مگر جانبِ ساحل نہیں ہونے پاتے

مراد یہ کہ یہ پل اِس زمانہ میں خودکشی کرنے والے عاشقانِ ناشاد کی آماجگاہ بنا ہؤا ہے اور اگر کسی نے خودکشی کرنا نہیں بلکہ کسی اور کی خودکشی کا نظارہ کرنا ہو تو کہتے ہیں کہ وہ اِس پل کے صبح شام تاوے کاٹے ۔ کسی نہ کسی روز علی الصبح سورج نکلنے سے پہلے پہلے یا شام کو غروب آفتاب کے بعد اُس کی مراد بر آئے گی اِس لئے کہ وہاں خودکشی کرنے والوں اور والیوں کی کمی نہیں ۔ ایک ڈھونڈو ہزار ملتے ہیں اور کیوں نہ ملیں جبکہ یہ مقام ہی وہ ہے کہ جہاں ع

دام ہر موج میں ہے حلقۂ صد کام نہنگ

اور حلقۂ صد کام نہنگ بھی وہ جو کسی قطرہ کے گوہر بننے کی نوبت ہی نہیں آنے دیتا ۔

جھیل کے سرے پر بننے والے نہایت وسیع و عریض اور انتہائی

مہیب لاتعداد گردابوں کے قریب ہی ایک چھوٹا سا جزیرہ بھی ہے۔
اُس کے گرداگرد بھی پانی کا بہاؤ بہت تیز ہے اور اس میں پڑنے والے
بھنور بھی ازحد ہلاکت خیز واقع ہوئے ہیں۔ حکومت کو اِس جزیرہ
کا ایک عجیب و غریب استعمال سُوجھائی دیا۔ اُس نے اِسے تفریح گاہ میں
تبدیل کرنے کی بجائے جیل خانہ میں بدل ڈالا۔ اِس جیل خانہ میں شیطان
لعین کے انتہائی خطرناک چیلوں کو مقید رکھا جاتا ہے تاکہ یہ آفت کے
پرکالے اور پاتال کی خبر لانے والے کبھی فرار ہونے کی کوشش نہ کر سکیں
اور جو بھی بھاگنے کی کوشش کرے وہ جیل سے فرار ہوتے ہی پاتال
میں جا اُترے اور ہمیشہ کے لئے وہیں کا ہو رہے۔ اِس جزیرے
یا یوں کہہ لیجئے کہ اِس جیل خانہ کو "الکٹراز" (ALCATRAZ)
کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آج تک خطرناک سے خطرناک ڈاکو یا کسی
بڑے سے بڑے ہلاکو کو بھی یہاں سے فرار ہونے کی جرأت نہیں ہوئی۔

عاشقانِ ناشاد کو خود اپنے ہی نفس کے قتلِ عمد کا کُھلا موقع فراہم
کرنے والے محل وقوع کے بعد اب کچھ ذکر ہو جائے سانفرانسسکو
کی سطحِ زمین کے غیر معمولی نشیب و فراز کا۔ شہر جس سطحِ زمین پر آباد ہے
اُس پر وہی مثل صادق آتی ہے اونٹ رے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی۔
شہر کے نواح میں چاروں طرف جدھر نگاہ اُٹھاؤ سطحِ زمین پر جا بجا
کنکریلی مٹی کے بنجر و مہیب پہاڑ سر اُٹھائے کھڑے ہیں۔ خود سانفرانسسکو
شہر کا قدیم حصہ مٹی کے ایسے ہی سر بفلک پہاڑوں کی چوٹیوں اور
اُن کی ڈھلوانوں پر بنی ہوئی عمارتوں اور گلی کوچوں پر مشتمل ہے اور
ہے بھی اِس قدر گنجان آباد کہ سڑکوں اور عمارتوں نے اُنہیں اِس طرح
ڈھانپا ہے کہ پہاڑ سرے سے نظر ہی نہیں آتے۔ بس پست سے پست
اور بلند سے بلند تر ہوتی ہوئی اُونچی نیچی بلڈنگیں ہی بلڈنگیں نظر آتی
ہیں۔ شہر مٹی کے اِن پہاڑوں کی اُترائی کے بعد ہموار زمین پر بھی
مسلسل پھیلتا چلا گیا ہے۔ نیویارک کی طرح عمارتیں حد سے زیادہ
بلند تو نہیں ہیں لیکن نظر یہی آتا ہے کہ بعض عمارتیں آسمان سے سرگوشیاں
کر رہی ہیں اور فلک کج رفتار سے محوِ گفتار ہونے میں نیویارک کی
فلک بوس عمارتوں سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ نظر کو یہ دھوکہ کیوں
لگتا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عمارتیں نظر نہ آنے والے پہاڑی
ٹیلوں کی بلندی پر بنی ہوئی ہیں اِس لئے اپنے قد کاٹھ سے کہیں زیادہ
بلند نظر آتی ہیں، اتنی بلند کہ گویا آسمان کو چھُو رہی ہوں۔

بعض جگہ حد درجہ نشیب اور بعض جگہ انتہائی فراز کا ایک
نتیجہ یہ نکلا ہے کہ قدیمی حصۂ شہر کے بلند ترین علاقہ میں بعض سڑکیں
نشیب سے شروع ہو کر اونچائی کی جانب بالکل ناک کی سیدھ میں
بلند سے بلند تر ہوتی چلی گئی ہیں۔ ایک چڑھائی کے بعد تھوڑی سی ہموار
زمین آتی ہے۔ ہموار زمین کے اِس وقفہ کے بعد اُسی سیدھ میں
پہلے سے بھی زیادہ بلند چڑھائی شروع ہوتی ہے۔ ہموار زمین کے
برائے نام وقفوں اور بلند سے بلند تر چڑھائیوں کے چار پانچ
درجوں کے بعد سڑک کی آخری چڑھائی آتی ہے، ایسی خطرناک
اور ہوش ربا کہ اُس پر موٹر چڑھاتے ہوئے اچھے اچھے ڈرائیوروں
کے ہاتھ پاؤں پھُول جاتے ہیں اور اُن کا پتّا پانی ہوئے بغیر نہیں رہتا۔
بالآخر جب موٹر آخری چڑھائی کو طے کر کے چوٹی پر پہنچتی ہے تو ہم جو
سیلانیوں کی جان میں جان آتی ہے اور وہ اِس بات پر خدا کا شکر
بجا لاتے ہیں کہ جان راستہ ہی میں ہَوا نہیں ہوئی اور بحمد اللہ وہ
جی جان سے سلامت ہیں۔ لیکن ساتھ ہی اس خیال سے کہ ابھی واپس
بھی جانا ہے ہاتھ پاؤں پھر پھُول جاتے ہیں۔ اور جب آدمی ہزار
اندیشوں اور دغدغوں سے گزر کر بخیریت نیچے واپس آتا ہے یعنی
آسمان سے زمین پر واپس اُترتا ہے تو بے اختیار پکار اُٹھتا ہے کہ
اب کھائی سو کھائی اب کے کھاؤں تو رام دُہائی۔ میری توبہ، میری
سات پُشت کی توبہ جو پھر کبھی اِدھر کا رُخ کروں اور جان جوکھوں
میں ڈال کر بن آئی مُوت کو گلے لگاؤں۔

سانفرانسسکو کے عجیب و غریب محل وقوع اور غیر معمولی نشیب و
فراز کے سلسلہ ہائے دُور و دراز کے احوالِ جانگداز کے بعد اب سُنیئے
سانفرانسسکو شہر کی سیرِ قیامت آثار کا کچھ احوال۔ لگے ہاتھوں یہ

بتاتا جاؤں کہ مجھ صحافی، خستہ حال و بے پر و بال کی قسمت نے ہی یاوری نہیں کی تھی کہ مَیں یکایک اللہ میاں کے پچھواڑے یعنی سانفرانسسکو میں واقع موت کے اکھاڑے میں جا اُترا تھا۔ میرے ہمراہ میری طرح کے بعض بیدار بخت اور بھی تھے، ایک فرخندہ حال و شیریں مقال نامی گرامی ایڈووکیٹ، ایک خون تھوک پیشاب وغیرہ کی جانچ پڑتال کرنے والے اسی قسم اور نوعیت کے آدھ کچرے سے ڈاکٹر اور ایک گرانڈیل قسم کے راناؤں کے رانا ہی نہیں بلکہ رانا سانگا تھا۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ مَیں اکیلا ہی نہیں تھا بلکہ میرے ساتھ دُبلے پتلے، ہٹے کٹے اور لمبے تڑنگے تین سجیلے بھی تھے۔

بذریعہ ہوائی جہاز سانفرانسسکو میں نزول کے وقت جب تین اطراف سے سمندر میں گھرے ہوئے شہر کی روشن اور چمکیلی فضا میں حدِ نگاہ تک پھیلی ہوئی لاتعداد بلند و بالا اُجلی براق عمارتوں پر نظر پڑی تو شہر کے صاف ستھرے کوچہ و بازار اور جھیل کے ساتھ ساتھ دُور تک پھیلے ہوئے سرسبز و شاداب مرغزار دیکھنے اور سَیر سپاٹے میں کچھ وقت گزارنے کی تمنا دل میں چٹکیاں لینے لگی اُس وقت مجھ نو وارد کی بقول کچھ وہی حالت تھی ؎

بھٹک رہا ہوں تماشائے بام و دَر کے لئے
قدم قدم پہ طلسمات ہیں نظر کے لئے

لیکن اُس وقت انگارے کو لعلِ بے بدل سمجھنے والے اِس دلِ ناداں کو کیا خبر تھی کہ قدم قدم پر نظر آنے والے یہ طلسمات اُس کی کمزور سی جان کے لئے جنجال بن کر اسے حیات و ممات کے درمیان معلق کر کے رکھ دیں گے۔ اور مَیں ہیہات ہیہات کہتا ہاتھ ملتا رہ جاؤں گا کہ مَیں نے اِس شہرِ طلسمات میں سَیر سپاٹے کا قصد ہی کیوں کیا۔

شہر میں وارد ہونے کے دو روز بعد آخر وہ دن بھی آ پہنچا جب ہم اپنے نیگیٹو اور پازیٹو قسم کے کالے اور گورے میزبانوں کے ہمراہ شہر کی سَیر کو نکلے۔ میزبانوں نے ہم تین مہمانوں کو الگ الگ موٹروں میں تقسیم کر دیا۔ میرا نمبر آیا سان ڈی آگو میں مقیم ایک پاکستانی دانشور کی نئی نویلی چمکیلی و بھڑکیلی موٹر کار میں۔ اپنی موٹر کو خیر سے وہ خود ہی ڈرائیو کر رہے تھے۔ پچھلی سیٹ پر میرے ساتھ ڈیٹن کے ایک جھاڑ جھنکاڑ داڑھی والے ہٹے کٹے امریکن میزبان براجمان تھے۔ نام ہی کے نہیں بلکہ فی الواقعہ بھی ابن واقع ہوئے تھے یعنی جان کو خدا تعالےٰ کی امانت سمجھ کر اُسے اُس کی راہ میں قربان کرنے والے لیکن تھے بہت خوش باش و قہقہہ باز۔ بات بات پر قلقل مینا کی طرح قہہ قہہ کرنا اُن کی گھُٹی میں پڑا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ ولادت باسعادت کے وقت اِس دُنیا میں روتے ہوئے نہیں بلکہ قہقہے مارتے ہوئے تشریف لائے ہوں گے اور اپنے قہقہوں سے اُنہوں نے گھر والوں کو قہقہے لگانے پر مجبور کر دیا ہو گا۔

ہم تین علیحدہ علیحدہ موٹروں میں سَیر کی غرض سے ہوٹل سے روانہ ہوئے۔ خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا، اپنی خوش بختی پر پھُولے نہ سماتے تھے، باچھیں کھِلی پڑتی تھیں اور دل تھا کہ خوشی کے مارے جھُوم رہا تھا۔ موٹر سٹارٹ ہوتے ہی نہ جانے کیوں داغ دہلوی کا ایک شعر بجلی کے کوندے کی طرح اُفقِ ذہن پر اُبھرا اور وقفہ وقفہ سے بار بار اُبھرتا ہی رہا۔ شعر یہ تھا ؎

اے داغ دُھن بندھی ہے تجھے کوئے یار کی
کمبخت موت ہے ترے سر پر سوار آج

اِس شعر کے بے وقت یاد آنے پر میرا ماتھا ٹھنکا۔ مَیں نے اسے اپنے ذہن سے بہتیرا جھٹکا لیکن کمبخت جھاڑ کے کانٹے کی طرح ایسا پیچھے پڑا کہ اُس نے پیچھا چھوڑنا تھا نہ چھوڑا۔ موٹر چلتی رہی اور شعر بھی میرے ذہن میں برابر چکر لگاتا رہا۔ سب سے پہلے ہمارے مہربان نما میزبان ہمیں شہر سے چند میل کے فاصلہ پر کنگہ یلی منٹا کی ایک پہاڑی کی چوٹی پر لائے۔ یہاں قرینے سے بنی ہوئی ایک خوبصورت عمارت کے سامنے باغ لگا ہوا تھا اور جا بجا پُرانے یورپی آباد کاروں میں سے نمایاں خدمات انجام دینے والے نامور اشخاص

کے بُت نصب تھے۔ نام تھا اس عمارت کا "Legion of Honour" ۔ پتہ یہ چلا کہ یہ عمارت اور سَیرگاہ اُن نامی گرامی ابتدائی آباد کاروں کی یاد میں تعمیر کی گئی ہے جنہوں نے امریکی معاشرہ کو پروان چڑھا کر ترقی کی راہ پر ڈالنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ جگہ واقعی بہت پُر فضا تھی اور فضا بہت خوشگوار و پُر بہار۔ یہ پہاڑی تھی بھی اُس جگہ سے کسی قدر قریب جہاں سے بحر الکاہل کا پانی ایک وسیع و عریض کھاڑی کے ذریعہ خشکی میں داخل ہوتا ہے۔ ایک طرف اس کھاڑی پر بنا ہوا گولڈن گیٹ برج اور اس کے نیچے سے گزرنے والے سمندر کے طوفانی پانی کا دلکش نظارہ آنکھوں کے سامنے تھا اور دوسری طرف شہر کی عمارتوں کا خوبصورت منظر نگاہوں کو اپنی طرف متوجہ کر رہا تھا۔ کچھ دیر ہم اِن دُور کے نظاروں اور خوشگوار فضا کے لطیف جھونکوں سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ اِن نظاروں میں محویّت کا ایک بہت ہی خوشگوار اثر یہ ہوا کہ داغ دہلوی کا وہ دہشتناک شعر جس کا منحوس سایہ قلب و ذہن سے کسی طرح دُور نہ ہوتا تھا دماغ سے ایسا دفع دفعان ہوا جیسے وہ کبھی ذہن میں آیا ہی نہ تھا۔ دلِ نادان ہر طرح سے اطمینان پا کر دلفریب نظاروں کی رنگینی میں گُم ہوئے بغیر نہ رہا۔ اس پہاڑی کے دامن کی اُونچی نیچی زمین پر ایک بہت ہی پُر فضا مرغزار ہے جس میں ہری بھری گھاس کے شاداب قطعوں کے علاوہ رنگ برنگے پھولوں کی خوشنما کیاریاں جا بجا بکھری ہوئی ہیں۔ ہمارے میزبان ہمیں پہاڑی کی چوٹی پر بنی ہوئی سَیرگاہ سے ڈھلوانوں پر بنے ہوئے راستوں سے گزار کر کشاں کشاں اِس مرغزار میں لے آئے۔ یہاں پہنچ کر پہاڑی کی اوٹ میں آنے کی وجہ سے شہر کا منظر تو آنکھوں سے اوجھل ہو گیا لیکن گولڈن گیٹ برج اور اس کے نیچے سے بہنے والے سمندری پانی اور اس میں بننے والے مہیب گردابوں اور وقفہ وقفہ سے بلند ہونے والی مضطرب موجوں کا نظارہ ہنوز دُور ہونے کے باوجود نگاہوں کے اور قریب آ گیا اور سنگین ہونے کے باوجود کچھ زیادہ ہی رنگین نظر آنے لگا۔

ہم اِس دلفریب منظر سے لطف اندوز ہو ہی رہے تھے کہ دُور ساحل کے کنارے کھڑے ایک امریکی گورے کے دل میں نہ جانے اچانک کیا آئی کہ اُس نے ربڑ کی ایک کشتی پکڑ اور ہاتھ میں چپّو لے اسے سمندر کی بپھری ہوئی تند و تیز لہروں میں اُتار دیا اور چشم زدن میں کُود کر اُس میں جا سوار ہوا اور لگا مخالف سمت میں پُوری قوت کے ساتھ کشتی کھینے۔ کشتی کا لہروں کی نذر ہونا تھا کہ اُس نے بے تکان ہچکولے کھانے شروع کر دیئے۔ وہ پاگلوں کی طرح چپّو چلا رہا اور خوفناک گردابوں کی زد سے بچنے کی کوشش میں حال سے بے حال ہو رہا تھا۔ کبھی اُس کی کشتی اُٹھتی ہوئی لہروں کے ساتھ اُوپر اُٹھتی اور کبھی نیچے گر کر ٹوٹنے والی لہروں کے ساتھ تیزی سے نیچے کی طرف جاتی اور روپوش ہو جاتی۔ جب بھی کشتی روپوش ہوتی دیکھنے والوں کے دل بھی ساتھ ہی ڈوب ڈوب جاتے اور یوں معلوم ہوتا کہ ماں کا یہ لعل کہیں پاتال میں جا اُترا اب اُس کا اُبھرنا محال ہے۔ جب اِس جواں سال کے بے وقت فرضی سانحۂ ارتحال پر رنج و ملال پُوری طرح شاملِ حال ہو جاتا تو موت سے کھیلنے والا یہ بیر بلوان اُس کے بے رحم شکنجے سے آزاد ہو کر کشتی سمیت بپھری ہوئی موجوں کے اُوپر پھر اُبھرتا اور پہلے ہی کی طرح ہچکولے کھانے لگتا۔ اسے زندہ دیکھ کر یوں محسوس ہوتا کہ وہ ہی نہیں ہم بھی دوبارہ موت کے مُنہ سے باہر نکل آئے ہیں یعنی ہم نیم جان ناتوانوں کی جان میں بھی جان آ گئی ہے۔ زندگی اور موت کی اِس آنکھ مچولی میں ایک دفعہ تو غرقاب ہو کر وہ کچھ ایسا غائب ہُوا کہ گویا ہمیشہ ہمیش کے لئے پردۂ غیب میں چلا گیا۔ جب کافی دیر تک وہ نہ اُبھرا تو مُنہ سے بے اختیار اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن نکلا اور کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ تو بار بار زبان پر آیا۔ کافی طویل وقفہ کے بعد وہ سخت جان قسم کا عجیب و غریب انسان موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سمندر کی متلاطم لہروں پر پھر اُبھر آیا لیکن جس جگہ غائب ہُوا تھا اُبھرا وہاں سے

بہت دُور۔ یوں لگا جیسے کہ قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہ کی آواز پر مُردوں میں
سے بھر جی اُٹھا ہو۔ اِسی تگ و تاز میں ہوتے ہوتے وہ جھیل کے اُس
پار جا اُترا۔ یہ پتہ کرنے پر کہ اسے جان جوکھوں میں ڈالنے کی کیا پڑی تھی
انکشاف یہ ہُوا کہ یہاں کے لوگ عیش کوش تو ضرور ہیں پر مہم جو بھی بلا کے
ہیں خطرہ مول لینا اور اُس سے بچ نکلنا ان کی فطرت میں داخل ہے۔
اور ان کی مہم جُوئی میں ہی ان کی ترقی کا راز مضمر ہے۔

اِس سرسبز و شاداب پہاڑی، اس پر بنی ہوئی خوبصورت سیرگاہ اور
اس کی ترائیوں میں پھیلے ہوئے پُر بہار مرغزار میں کچھ وقت گزارنے کے
بعد ہم نے شہر کا رُخ کیا۔ شہر کیا ہے عجائبات کا ایک مرقع ہے اِس لئے
کہ اس میں صرف امریکی نژاد باشندے ہی نہیں بلکہ بھانت بھانت
کی بولیاں بولنے والے بعض مشرقی اقوام کے لوگ بھی بڑی تعداد میں
آباد ہیں۔ امریکہ کے مغربی ساحل پر واقع ہونے کی وجہ سے شہر کا
رُخ جنوب مشرقی ایشیا کی طرف ہے اور ہر چند کہ بحرالکاہل اپنی
بے انداز وسعت کے ساتھ دونوں کے درمیان حائل ہے تاہم چین،
جاپان اور فلپائن وغیرہ کے لوگ بڑی تعداد میں یہاں کھنچے چلے آئے
ہیں اور انہوں نے شہر کے بیچوں بیچ اپنی اپنی علیحدہ بستیاں بنا رکھی
ہیں لطف یہ ہے کہ ہر کہ در کانِ نمک رفت نمک شد کی مثل اُن
غیر ملکی نو واردوں پر صادق نہیں آتی۔ اس لئے کہ یہ لوگ یہاں کی
ثقافت میں مدغم نہیں ہوئے ہیں بلکہ انہوں نے اپنی ثقافت اور
اپنے تشخص کو بہت حد تک برقرار رکھا ہوا ہے حتیٰ کہ ان کی اپنی
عمارتوں پر اپنی ثقافت کی چھاپ صاف نمایاں ہے۔ شہر کے
وسط میں واقع انتہائی گنجان آباد علاقہ کے بعض علیحدہ علیحدہ حصّے
چائنا ٹاؤن اور جاپان ٹاؤن کے نام سے موسوم ہیں۔ چائنا ٹاؤن
تمام تر چینی باشندوں کی دُکانوں اور رہائشی مکانوں پر اور اسی
طرح جاپان ٹاؤن از اوّل تا آخر جاپانی تاجروں کے تجارتی اور
رہائشی ٹھکانوں پر مشتمل ہے۔ ان کی دکانیں اپنے اپنے ملک کی دستکاریوں
کے نمونوں اور دیگر مصنوعات سے اَٹی پڑی ہیں۔ ان میں گھوم پھر کر
یوں محسوس ہوتا ہے کہ ابھی تو ہم چین کی سیر کر رہے تھے اور ایکا ایکی
جاپان میں آوارد ہوئے۔

چائنا ٹاؤن اور جاپان ٹاؤن کے کُوچہ و بازار سے گزر کر ہماری
کار ”نوب ہل“ (NOB HILL) کی اُس انتہائی گنجان آباد
سڑک کے نچلے سرے پر آ نکلیں جو ناک کی سیدھ میں درجہ بدرجہ
بلند سے بلند تر ہوتی ہوئی انتہائی خطرناک چڑھائی کے بعد خلا میں
گُم ہو جاتی ہے۔ سڑک کیا ہے آسمان کی سمت میں حدِ نگاہ تک بلند
ہوتا چلا جانے والا ایک لامتناہی زینہ ہے جو اس لئے تعمیر کیا گیا ہے
کہ انسان اس کی مدد سے آسمان میں پہنچ کر وہاں سے تارے توڑ
لاسکے اور اگر چاہے تو ستاروں کو گردِ راہ تصوّر کر کے چرخِ نیلی فام سے
پرے کی نئی منزلوں کا نظارہ کر سکے۔

ہمارے میزبانِ اعلیٰ مسٹر وکٹر پر نہ جانے فرہادِ ثانی بننے کی
دُھن سوار تھی جو انہوں نے دُودھ کی نہر کھینچ لانے کی غرض سے اپنے
ہمراہ ہم میدانی لوگوں کو بھی آسمانوں کی بلندیاں چھُونے والے پہاڑ
کی چوٹی پر پہنچانے کی ٹھانی اور موٹروں کو شہر کے بیچوں بیچ سیدھی
عدم آباد جانے والی اِس گنجان آباد عمودی سڑک پر مُڑنے کا اشارہ
کیا۔ موٹروں کا اُدھر مُڑنا تھا کہ داغ دہلوی کے بھُولے ہوئے
شعر کا یہ مصرعہ کہ ع ـــــ کمبخت مَوت ہے ترے سر پہ سوار آج ـــ
پھر دماغ میں گھومنے لگا۔ اِس مصرعہ کا یاد آنا تھا کہ ہاتھ پاؤں
ڈھیلے پڑ گئے اور ٹھنڈے پسینے چھُوٹ چھُوٹ گئے اور یوں لگا
کہ زندگی کا آخری موڑ مُڑنے کے بعد عدم آباد کا سفر شروع ہو چکا
ہے۔ موڑ مُڑتے ہی موٹروں نے جو ایک دوسرے کے آگے پیچھے
جا رہی تھیں آسمان کی طرف رُخ کر کے دیوار پر قطار در قطار چلنے
والی چیونٹیوں کی طرح اُوپر کی طرف رینگنا شروع کر دیا۔ جُوں
جُوں موٹریں اُوپر چڑھتی گئیں ہمارے سر پیچھے کی جانب نیچے لُڑھکتے
اور پاؤں اُوپر کی طرف اُٹھتے چلے گئے اور نظر یہ آنے لگا کہ ہم مومن
خاں مومن کی طرح کُوچۂ رقیب میں داخل ہو چکے ہیں اور اس میں

نقش پا نظر نہ آنے کے باوجود ہمیں سر کے بل چل کر ہی جانا پڑے گا۔

اپنی واردات کے ضمن میں مومن کہہ گیا ہے ناں ؎

اُس نقشِ پا کے سجدہ نے کیا کیا کیا ذلیل
مَیں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

مومن کو تو نقشِ پا کے سجدوں نے ذلیل کیا تھا، ہماری ذلّت و خواری کا سبب ہمارے مہربان نما میزبان مسٹر وِکٹر تھے جو ہمیں کچے دھاگے سے باندھ کر خفیف سے اشارہ سے کھینچے لئے جا رہے تھے۔ وائے مجبوری و بے بسی ہم کھنچے چلے جانے پر مجبور تھے۔ اگر راہ میں کوئی نقش پا تھا بھی تو وہ ہمارے میزبان کو نظر آ رہا ہوگا۔ سجدے اگر واجب تھے تو وہ اُن پر واجب تھے ہم سے تو وہ بالجبر سجدے پر سجدہ کروا رہے تھے۔ نقشِ پا تو ہمیں کیا نظر آتا اُلٹا نظر یہ آ رہا تھا کہ ہم لحظہ بلحظہ مَوت کے مُنہ میں جا رہے ہیں اور آن کی آن میں ہم اُس کے بے رحم جبڑوں کے درمیان پس کر رہ جائیں گے۔

درجہ بدرجہ بلند ہونے والی چڑھائی پر موٹریں بدقّت تمام چڑھ رہی تھیں اور دل تھے کہ ڈوبے جا رہے تھے۔ اس خیال کے آتے ہی کہ اگر خدانخواستہ موٹر کار کے بریک فیل ہو جائیں تو ہماری ہڈی پسلی کا بھی پتہ نہیں لگے گا دل میں ایسے ہَول اُٹھے کہ سارا ماحول ہی پُر ہَول نظر آنے لگا۔ اس ہَول کے اُٹھنے پر بہتیری لاحول پڑھی لیکن ہَول بڑھتا ہی گیا۔ خدا تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور گڑگڑا گڑگڑا کر دُعا کی کہ اے ارحم الراحمین ہمارے حالِ زار پر رحم کر، آسمان پر چڑھنے والا یہ خطرناک راستہ اپنے فضل سے بخیر و عافیت طے کرا دے۔ دُعا کی قبولیت پر پختہ ایمان کے باوجود دلِ بے قرار کو قرار نہ آیا۔ زندگی بھر کی لاتعداد خطائیں ایک ایک کر کے آنکھوں کے سامنے سے گزرنے لگیں معلوم یہ ہوتا تھا کہ ہر خطا پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ مکافاتِ عمل کا وقت آن پہنچا، اب توبہ تِلّا بے سُود ہے، کئے کی سزا بُھگتنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

خوف و خطر اور گھبراہٹ کے اِس عالم میں مَیں نے موٹر کے ڈرائیور یعنی اُن پاکستانی بھائی کی طرف دیکھا جو سان ڈیگو سے وہاں آئے ہوئے تھے اور اپنی موٹر کار خود چلا رہے تھے۔ اُن کا حال میرے اور میرے ساتھیوں کے حال سے بھی زیادہ پتلا تھا۔ موٹر وہ چلا تو رہے تھے لیکن اس حال میں کہ چہرہ پر ہوائیاں اُڑی ہوئی، رنگ پیلا زرد اور آنکھیں پھٹی پھٹی پتھرائی ہوئی۔ مرگلی آواز میں وہ بار بار کہہ رہے تھے خدا خیر کرے ایسی ہولناک چڑھائی پر مَیں نے تو کبھی موٹر نہیں چلائی۔ خدا ہی موٹر کو آگے لئے جا رہا ہے ورنہ مجھ خطا کار کے اوسان خطا ہیں اور موٹر میرے کنٹرول سے باہر ہے۔ انتہائی گھبراہٹ کے آئینہ دار اِس فقرہ کی بار بار تکرار کے دَوران ہی سڑک کی پانچ چڑھائیوں اور سطح و تفنوں کے بعد چھٹی اور انتہائی خطرناک چڑھائی آگئی۔ جب موٹر کی اُس پر چڑھنے کی باری آئی تو ڈرائیور صاحب نے بوکھلاہٹ کے عالم میں اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے۔ اُن کی سراسیمگی اور مذبوحی حرکات دیکھ کر میرے اوسان اُور بھی خطا ہوئے۔ دل نے کہا دال میں ضرور کچھ کالا ہے۔ اگر گڑبڑ گھٹالا کوئی نہیں تو بے ہنگم حرکات و سکنات کے ذریعہ یہ خاموش واویلا کس لئے ہے۔ مَیں اپنی جگہ پہلے ہی سہما ہوا تھا اور زیادہ سہم گیا اور لگا کسی اور بڑی آفت کا انتظار کرنے۔ موٹر اُس عمودی چڑھائی پر کچھ دُور تو گھسٹی پھر ایک جھٹکے کے ساتھ یکدم بریک مارا اور پچھل پیری کی طرح تیزی سے اُلٹے پاؤں نیچے کی طرف پھسلنے لگی۔ مَیں نے گھبرا کر زور سے کلمۂ شہادت پڑھا اور لگا انتظار کرنے کہ حضرت عزرائیل کب ہاتھ بڑھاتے اور رُوح قبض کرتے ہیں کیونکہ شروع ہی سے احساس یہ دامنگیر تھا کہ وہ دُور نہیں ہیں بلکہ قدم بقدم پیچھے پیچھے چلے آ رہے ہیں اور کسی معیّن لمحہ کے انتظار میں حکمِ خداوندی کے منتظر ہیں۔ اُس کڑے وقت میں مجھے اپنے تینوں ہمسفر جنہیں دوسری موٹروں میں بٹھا کر ایک دوسرے سے پہلے ہی جُدا کر دیا گیا تھا بہت یاد آئے۔ دل ہی دل میں سوچا ہزاروں ہزار میل کا سفر ایک ساتھ طے کیا، سفرِ آخرت بھی

ایک ساتھ طے ہوتا تو بہتر تھا، مَیں کہہ تو سکتا ہمہ یاراں دوزخ ہمہ یاراں بہشت۔ ہزاروں حسرتوں کے ساتھ یہ آخری حسرت بھی دل کی دل ہی میں رہی۔ موت سے ہم آغوش ہونے سے پہلے میں نے ڈرائیور صاحب پر اُن کے زندہ ہونے کی حالت میں آخری نگاہ ڈالی۔ حال ان کا ہُو بہو اس شعر کے مطابق پایا ؎

رَو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھیے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

اللہ نے مدد کی، ڈرائیور صاحب کے کچھ ہوش بجا ہوئے یا بیہوشی میں ہی غیر شعوری طور پر پاؤں سے اُنہوں نے کیلی دبائی، بریک لگی اور موٹر سڑک کے ساتھ یکدم جام ہوگئی یعنی چپک کر رہ گئی۔ خدا خدا کر کے موٹر رُک تو گئی لیکن اُس انتہائی خطرناک چڑھائی پر حالت ہماری یہ تھی کہ ہمارے سر نیچے کی طرف اور ٹانگیں اُوپر کی طرف اُٹھی ہوئی تھیں۔ اس بلندی پر ہم گویا اُلٹے ہوا میں معلّق ہو کر رہ گئے جیسے آسمان سے گِر کر کھجور میں اٹک گئے ہوں اور چمگادڑ کی طرح اُلٹے لٹک رہے ہوں۔ وہ گرانڈیل امریکن نیگرو جو میرے ساتھ ہی بیٹھے ہوئے تھے اور اب سے کچھ دیر پہلے تک حسبِ عادت قہقہہ پر قہقہہ لگا رہے تھے اِس حال میں کہ سر نیچے اور ٹانگیں اُوپر ڈرائیور سے اِس طرح مخاطب ہوئے جیسے کنوئیں کی تہہ سے بول رہے ہوں۔ پُوچھ وہ یہ رہے تھے کہ گڑ بڑ کیا ہے، موٹر آگے جانے کی بجائے پیچھے کی طرف کیوں لڑھکتی ہے۔ ڈرائیور صاحب نے کپکپاتی ہوئی رُوندھی آواز میں جواب دیا سب گیئر آزما دیکھے کمبخت کوئی بھی کام نہیں دے رہا، گاڑی آگے جائے تو کیسے جائے، پیچھے ہی کھسکتی ہے۔ وہ بولے اناڑی کی دُم فاختہ اے میاں حواس باختہ! "ایس" گیئر یعنی ایسی بلندیوں کے لئے مخصوص "سپیشل گیئر" لگاؤ۔ اِس سوال و جواب کے بعد کچھ وقت موت کی سی خاموشی چھائی رہی جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو اور موٹر کار کی اکیلی قبر میں سب اکٹھے ہی ابدی نیند سوئے ہوئے ہوں۔ اُدھر موٹر اپنی جگہ ساکت زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد۔ نہ آگے جانے کی کوئی صورت نہ پیچھے ہٹنے کا یارا، وہی حالت تھی ؎

وفورِ اشک و طغیانِ فغاں ہے
کدھر جاؤں اُدھر پانی اِدھر آگ

آخر قلقلِ مینا کی قہہ قہہ کو یکسر فراموش کر دینے والے قہقہہ باز کے پھر گویا ہونے سے خاموشی ٹوٹی۔ وہ تڑخ کر بولے گاڑی "ایس" گیئر میں ڈالی یا نہیں؟ بھرائی ہوئی آواز میں جواب آیا ہاں ڈال دی ہے۔ بولے اگر ڈال دی ہے تو پھر سٹارٹ کیوں نہیں کرتے؟ یاس میں ڈوبا ہوا جواب مِلا ڈرتا ہوں کہ اگر بریک پر سے پاؤں ہٹایا اور اب بھی گاڑی اُوپر کی طرف آگے جانے کی بجائے پانی کی طرح آبشار بناتی ہوئی نشیب میں ہی گئی تو کیا بنے گا۔ مجھے یوں لگا کہ جیسے کہہ رہے ہوں خیریت اِسی میں ہے کہ چُپ سادھے رہو اور زندگی کے بقیہ سانس اِسی حال میں پُورے کرو۔ جب تک دم میں دم ہے بریک دبائے رکھوں گا، ہاں اگر کوئی ہیلی کاپٹر مدد کو پہنچ جائے تو زہے نصیب۔ سابق قہقہہ باز جھلا کر بولے اگر آخری وقت آگیا ہے تو آنے دو، تمہارے یا میرے روکنے سے وہ رُک نہیں سکتا۔ تم لاکھ ٹالو قسمت کا لکھا پُورا ہو کر رہے گا، اللہ کا نام لیکر سٹارٹ تو کرو موٹر۔ ڈرتے ڈرتے اُنہوں نے موٹر سٹارٹ کی سب نے یک زبان ہو کر بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖبھَا وَ مُرْسٰھَا پڑھا اور اُمید و بیم کی حالت میں انتظار کرنے لگے کہ موٹر آگے جاتی ہے یا پیچھے لڑھکتی ہے۔ موٹر آگے بڑھی اور سب نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہتے ہوئے اطمینان کا سانس لیا۔ جب تک موٹر چڑھائی کے آخری سِرے تک نہ پہنچ گئی جان ست ہی ست پر رہی۔ اگر قہقہہ باز امریکن دوست نہ ہوتے تو ناخدا کے طفیل ہم تحت الثریٰ میں پہنچ کر ہی آخری دم لیتے اور وہی حالت ہوتی ؎

سہارا نہ دیتی اگر موجِ طوفاں
ڈبو ہی دیا تھا ہمیں ناخدا نے

ہماری بے بسی دیدنی تھی۔ لب بام دو چار ہاتھ ہی رہ گیا

تھا کہ ناخدا نے ہمت ہار دی اور نوبت جا پہنچی جان کی بازی ہارنے تک کبھی امید بندھتی کہ شاید بالا مار ہی لیں اور کبھی مرنے بلکہ مر مٹنے کے خوف سے یاس میں ڈوب جاتے ؎

نتیجہ تک کھینچے کیا کیا اُمید و یاس کے نقشے
تلاطم میں تھی کشتی سامنے نظروں کے ساحل تھا

الغرض جان بچی لاکھوں پائے کے مصداق دوسرے راستہ سے جو دو چار سخت مقامات کے سوا اتنا پُر خطر نہ تھا فوراً ہی قیام گاہ واپس لوٹے۔ گئے تھے سانفرانسسکو کا شہر دیکھنے اُس نے وہ وہ ہاتھ دکھائے کہ حشر کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آگیا۔ دن کو ہی تارے نظر آنے لگے۔ ان کی تاب نہ لا کر وہاں سے ایسے رفو چکر ہوئے کہ ٹھکانے پر پہنچ کر ہی دم لیا۔

وہ تو یوں کہو قسمت ہی بھلی تھی جو خیریت گزری اور جی جان سے سلامت واپس لوٹ آئے ورنہ سانفرانسسکو نے سسکا سسکا کر مارنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ جب سے سانفرانسسکو کی سیر کی ہے سیر سے ہی طبیعت سیر ہو گئی ہے۔ اب تو سیر کے نام سے ہی دل بلّیوں اُچھلنے لگتا ہے۔ اندیشہ ہائے گوناگوں کی وہ یلغار ہوتی ہے کہ توبہ ہی بھلی۔ بس یہی دھڑکا لگا رہتا ہے ؎

بچ گیا کل کسی حکمت سے نشیمن اپنا
آج کی تند ہوا دیکھئے کیا کرتی ہے

حضرت اقدس نے فرمایا :-

"خدا کی قسم اگر میری ساری اولاد اور اولاد کی اولاد اور میرے سارے دوست اور میرے سارے معاون و مددگار میری آنکھوں کے سامنے قتل کر دیئے جائیں اور خود میرے اپنے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے جائیں اور میری آنکھ کی پتلی نکال دی جائے اور میں اپنی تمام مرادوں سے محروم کر دیا جاؤں اور اپنی تمام خوشیوں اور تمام آسائشوں کو کھو بیٹھوں تو اِن ساری باتوں کے مقابل پر میرے لئے یہ صدمہ زیادہ بھاری ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسے ناپاک حملے کئے جائیں۔ پس اے میرے آسمانی آقا تو ہم پر اپنی رحمت اور نصرت کی نظر فرما اور ہمیں اِس ابتلاءِ عظیم سے نجات بخش۔"

(ترجمہ از آئینہ کمالاتِ اسلام)

مرسلہ : عبدالسمیع خان

عِلم توجّہ

"حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب (.....)

نے ایک دفعہ مجھ سے بیان کیا اور بعض اوقات مجلس میں بھی بیان فرماتے رہے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت (اقدس) کے زمانہ میں ایک ہندو جو گجرات کا رہنے والا تھا ایک برات کے ساتھ قادیان آیا۔ یہ شخص علم توجہ یعنی ہپنوٹزم (Hypnotism) کا بڑا ماہر تھا۔ اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس وقت اتفاق سے ہم قادیان آئے ہیں، چلو مرزا صاحب سے بھی ملتے چلیں۔ اُس کا منشاء یہ تھا کہ لوگوں کے سامنے حضرت اقدس پر توجّہ ڈال کر حضور سے بھری مجلس میں کوئی نازیبا حرکت کرائے جس سے لوگوں پر حضور کا رُوحانی اور اخلاقی اثر زائل ہو جائے۔ جب وہ مجلس میں حضور سے ملا تو اُس نے حضور کے سامنے بیٹھ کر خاموشی کے ساتھ حضور پر اپنی توجہ کا اثر ڈالنا شروع کیا مگر حضور پوری دلجمعی کے ساتھ اپنی گفتگو میں مصروف رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس شخص کے بدن پر کچھ لرزہ آیا اور اُس کے مُنہ سے کچھ خوف کی آواز بھی نکلی لیکن وہ سنبھل گیا اور پھر زیادہ زور کے ساتھ توجّہ ڈالنی شروع کی۔ اس پر اُس نے ایک چیخ ماری اور بے تحاشا مسجد سے بھاگتا ہوا نیچے اُتر گیا۔ اُس کے ساتھی اور بعض دوسرے لوگ بھی اس کے پیچھے گئے اور اُس کو پکڑ کر سنبھالا۔ جب اُس کے ہوش ٹھکانے ہوئے تو بعد میں اُس نے بیان کیا کہ مَیں علم توجہ کا بڑا ماہر ہوں مَیں نے ارادہ کیا تھا کہ مرزا صاحب پر توجہ ڈال کر اُن سے مجلس میں کوئی نازیبا حرکت کراؤں مگر جب مَیں نے اُن پر توجّہ ڈالی تو مَیں نے دیکھا کہ میرے سامنے ایک شیر کھڑا ہے۔ مَیں اسے اپنا وہم قرار دیکر سنبھل گیا اور پھر دوبارہ توجّہ ڈالنی شروع کی۔ اس پر مَیں نے دیکھا کہ وہ شیر میری طرف بڑھ رہا ہے جس سے میرا بدن لرز گیا۔ مگر مَیں نے پھر اپنے آپ کو سنبھالا اور اپنی ساری طاقت اور ساری توجّہ مجتمع کر کے اور اپنا سارا زور لگا کر مرزا صاحب پر توجہ ڈالی۔ اُس وقت مَیں نے دیکھا کہ وہ شیر خوفناک صورت میں مجھ پر اس طرح حملہ آور ہوا ہے کہ گویا مجھے ختم کرنا چاہتا ہے جس پر میرے مُنہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی اور مَیں مسجد سے بھاگ اُٹھا۔

حضرت مصلح موعود فرمایا کرتے ہیں کہ اس کے بعد وہ حضرت صاحب کا بہت معتقد ہو گیا اور جب تک زندہ رہا ہمیشہ بڑی عقیدت کے رنگ میں حضور کے ساتھ خط وکتابت کرتا رہا۔ اور وہ بیان کیا کرتا تھا کہ مرزا صاحب بڑے خدا رسیدہ بزرگ ہیں جن کے سامنے میری ہپنوٹزم کی طاقت بالکل بیکار ثابت ہوئی۔

اس روایت کے تعلق میں ہمارے دوستوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ علم توجہ یعنی ہپنوٹزم دُنیا کے علموں میں سے ایک لطیف علم ہے جس کا بنیادی ملکہ انسانی فطرت کے اندر قدرتی طور پر پایا جاتا ہے مگر یہ ملکہ عموماً مخفی اور مستور رہتا ہے۔ البتہ

اسے مناسب مشق کے ذریعہ بیدار کیا جا سکتا ہے۔ اور بعض لوگ جن کی قوتِ ارادی زیادہ مضبوط ہوتی ہے اور اُن کے اندر توجہ جمانے یعنی کنسنٹریشن (Concentration) کا مادہ زیادہ پختہ ہوتا ہے وہ بھی مشق کے ذریعہ اس ملکہ میں کافی ترقی کر لیتے ہیں۔

لیکن بعض مثالیں ایسی بھی دیکھی گئی ہیں کہ بعض لوگوں میں بلکہ شاذ کے طور پر بعض نوعمر بچوں تک میں یہ ملکہ قدرتی طور پر بھی بیدار ہوتا ہے اور وہ کسی قسم کی مشق کے بغیر ہی غیر شعوری رنگ میں توجہ جماتے اور اس کے اثرات پیدا کرنے میں ایک حد تک کامیاب ہو جاتے ہیں۔ مگر ایسی قدرتی حالت اگر اسے مشق کے ذریعہ قائم نہ رکھا جائے بالعموم جلد زائل ہو جاتی ہے۔ بلکہ یہ فطری ملکہ بعض جانوروں تک میں پایا جاتا ہے چنانچہ سانپوں کی بعض اقسام اپنی آنکھوں کی توجہ کے ذریعہ اپنے شکار کو مسحور کر لیا کرتی ہیں۔

اس تعلق میں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ علم توجہ یعنی ہپنوٹزم کو حقیقی روحانیت سے جو خدا تعالیٰ کے ذاتی تعلق کا دوسرا نام ہے کوئی واسطہ نہیں۔ بلکہ یہ علم دنیا کے علموں میں سے اسی طرح کا علم ہے جس طرح کہ طب یا ہیئت یا ہندسہ کیمسٹری یا فزکس وغیرہ دنیا کے علوم ہیں۔ اور ہر شخص خواہ وہ کسی مذہب و ملت سے تعلق رکھتا ہو اسے حاصل کر سکتا ہے اور اپنی فطری استعداد کے مطابق مناسب مشق کے ذریعہ اس میں کافی مہارت پیدا کر سکتا ہے چنانچہ مسلمانوں میں سے کئی صوفیاء اور ہندوؤں میں سے کئی جوگی اس علم کے ماہر گزرے ہیں اور اس علم کے ذریعہ بیمار کا علاج بھی کرتے رہے ہیں۔ اور یہی اس علم کا بہترین استعمال ہے اور آجکل یورپ اور امریکہ کے لوگ بھی اس علم میں کافی ترقی کر رہے ہیں اور قدیم زمانہ میں جو ساحر حضرت موسیٰؑ کے مقابل پر آئے تھے وہ بھی اسی علم کے ماہر تھے مگر عصائے موسوی کے سامنے اُن کا سحر ٹوٹ کر پاش پاش ہو گیا۔ چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے:-

"اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى"

یعنی ان لوگوں نے ایک ساحرانہ چال چلی تھی مگر خدا کے رسولوں کے مقابلہ میں کوئی ساحر کامیاب نہیں ہو سکتا خواہ وہ کسی راستہ سے آئے۔"

(حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی چار تقریریں صفحہ ۱۹۷)

مرسلہ: نصیر احمد قمر

جستہ جستہ

● "دُنیا کا طالب احمق ترین آدمی ہوتا ہے۔ ..... اور طالب مولیٰ عقل مند ترین آدمی ہے۔ کیونکہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہُوا ہے کہ اگر کوئی شخص مرض موت میں وصیّت کرے کہ میرے مرنے کے بعد میرا مال عقلمند ترین آدمی کو دیا جاوے تو واجب ہے کہ اس کا مال دُنیا سے بے رغبت اور اس کو چھوڑنے والے آدمی کو دیا جاوے کیونکہ عقلمند ترین یہی لوگ ہیں نہ کہ دوسرے۔"

(تذکرہ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رح ص ۱۱۹)

● "اگر ایک مکان میں کئی سوراخوں سے پانی آرہا ہو، تو ایک ایک کو بند کرنے کی بجائے پانی کے آنے کے راستہ کو بند کر دینا زیادہ مفید اور اچھا ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک ایک مصیبت اور مشکل کے دُور کرنے کی بجائے اگر انسان خدا تعالیٰ کے حضور جُھک جائے، جو تمام مصائب کو بند کر سکتا ہے، تو انسان بالکل محفوظ ہو جاتا ہے۔"

(خطبات النکاح از حضرت مصلح موعود حصّہ اوّل)

● "ایک شخص نے حضرت سلطان ابراہیم ادھم بلخی رح کو گدڑی پہنے ہوئے اور ایک بیری کے درخت کے نیچے لیٹے ہوئے دیکھا اور کہا کہ آپ کو بادشاہی چھوڑنے اور اس ذلّت کو اختیار کرنے سے کیا حاصل ہُوا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جس حالت میں مَیں اب ہوں اگر دُنیا کی ستر بادشاہیاں مجھ کو دی جائیں تو بھی مَیں ہرگز اس لذّت کو ان کے بدلہ میں فروخت نہ کروں ؎

گدایاں از بادشاہی نفور
بہ امید اُو در گدائی صبور

(تذکرہ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رح ص ۹۷-۹۸)

● حضرت شیخ جلال الدین تبریزی رح کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ آپ سیّاحی کرتے ہوئے بدآیوں وارد ہوئے اور وہاں قیام فرمایا۔ ایک روز قاضی شہر کے مکان پر ملنے گئے۔ خدمت گاروں نے کہا کہ ابھی قاضی صاحب نماز میں مشغول ہیں۔ شیخ نے تبسّم کے ساتھ فرمایا "قاضی صاحب نماز پڑھنا جانتے بھی ہیں؟" — دوسرے روز قاضی صاحب شیخ کی قیامگاہ پر آئے اور بولے "کل آپ نے یہ کیسے کہہ دیا تھا کہ قاضی نماز پڑھنا جانتے بھی ہیں؟ مَیں تو مسائل و احکام نماز پر کتابیں لکھ چکا ہوں"۔ شیخ نے کہا "عالموں کی نماز دوسری ہوتی ہے اور فقیروں کی دوسری"۔ قاضی صاحب بولے "کیا فقیر کوئی اَور قرآن پڑھتے ہیں یا رکوع اور سجدہ کسی نئے

طریقہ پر کرتے ہیں؟" شیخ نے فرمایا کہ عالموں کی نماز بس اسی قدر ہے کہ کعبہ کو نظر میں کریں یا اگر دُور ہیں تو جہتِ کعبہ کو اور اگر اس کا بھی پتہ نہ چل سکا تو اندازہ سے جہتِ کعبہ کو تصور کر کے نماز شروع کر دی لیکن درویشوں کی نمازیں نہیں ہوتی۔ وہ جب تک عرشِ الٰہی پر نظر نہیں جما لیتے نماز نہیں شروع کرتے"۔

● ایک جرمن جریدہ رقمطراز ہے :۔

"وفاقی جمہوریہ جرمنی کے لوگ کتابیں پڑھنے کے بڑے رسیا ہیں اور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ جرمن شہری ہر سال کتابوں کی اشاعت پر لاکھوں ٹن کاغذ خرچ ہوتا ہے۔ فرینکفرٹ میں ہر سال کتابوں کا بین الاقوامی میلہ منعقد ہوتا ہے۔ اس مرتبہ اس میلہ میں ۸۰۰۰۰ نئی مطبوعات متعارف کرائی گئیں۔ ...... ایک باوقار جرمن جریدے فرینکفرٹر الگیمائنے نے ایک تبصرہ میں اس امر پر تاسف کا اظہار کیا ہے کہ کتابیں تو بے شمار شائع ہو رہی ہیں لیکن ان میں قابلِ داد یعنی پڑھنے کے قابل مواد نہیں ملتا۔ جریدے کا کہنا ہے کہ یہ دراصل ایک مجموعی تاثر ہے۔ تاہم حقیقت یہی ہے کہ اکثر سیاسی تاریخی نوعیت کی کتابوں خصوصاً سوانح اور یادداشتوں پر مشتمل کتابوں میں چونکا دینے والی کوئی بات نہیں ملتی۔" ("معلوماتِ جرمنی" جنوری ۱۹۸۲ء)

● "ٹیلی مواصلات کے شعبے میں جرمن محکمۂ ڈاک کے حکام نے ترقی کی جانب ایک اور بڑی منزل طے کر لی ہے۔ ہُوا یُوں کہ محکمہ ڈاک کے حکام نے حال ہی میں شمالی جرمنی کے شہروں برنورڈ اور بونڈے کے درمیان ایک سو کلومیٹر لمبی لائن بچھائی جو انسانی بالوں جیسے ملائم ایسے متوازی تاروں پر مشتمل تھی جن سے روشنی گزر سکتی ہے۔ ان تاروں سے بیک وقت ۴۸۰ ٹیلیفون کالیں کی جا سکتی تھیں بصورتِ حال یہ ہے کہ متذکرہ تاریں جنہیں لائٹ ویوکنڈکٹر بھی کہا جاتا ہے مستقبل میں ٹیلی مواصلات کے شعبے میں تانبے کی تاروں کی جگہ لے لیں گی۔ یہ امر یقیناً قابلِ ذکر ہے کہ یہ تاریں جس چیز یعنی سیلیکا سینڈ سے تیار کی جاتی ہے وہ غیر محدود مقدار میں میسر ہے۔ لہٰذا ایسے بے شمار تار تیار کرنا عین ممکن ہے۔ ان تاروں کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ بیک وقت سینکڑوں ٹیلیفون کالوں اور متعدد ٹیلی ویژن چینلوں پر پیش کئے جانے والے پروگرام کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک منتقل اور ریلے کر سکتے ہیں۔" ("معلوماتِ جرمنی" جنوری ۱۹۸۲ء)

تصحیح و اعتذار

"خالد" اپریل ۱۹۸۲ء کے صفحہ ۲۸ پر پہلی سطر میں سورۃ الاعراف کی آیت ۱۵۷ سہواً "وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ" کی بجائے "وَسِعَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ" چھپ گئی ہے۔ ادارہ اس سہوِ کتابت پر معذرت خواہ ہے۔ قارئین کرام سے التماس ہے کہ اپنے رسالوں میں متذکرہ آیت کی درستی فرمالیں۔ (ایڈیٹر)

مرتبہ: محمود احمد اشرف

اخبارِ مجالس

● مجلس خدام الاحمدیہ کھجر ضلع شیخوپورہ نے ماہ فروری میں جلسہ مصلح موعود منعقد کیا جس میں مرد و زن کی مجموعی تعداد ۲۳۰ رہی۔

● مجلس خدام الاحمدیہ عزیز آباد کراچی نے مؤرخہ ۱۲ تا ۱۸ فروری ہفتہ تربیت اور ۱۶ تا ۲۳ فروری ہفتہ اصلاح و ارشاد منایا جن کے دوران مختلف پروگرام منعقد ہوئے۔

● مجلس خدام الاحمدیہ حیدر آباد شہر کے زیرِ اہتمام ۵ مارچ کو ایک آل سندھ تقریری مقابلہ کا اہتمام کیا گیا جس میں مختلف اضلاع سے ۱۳ مقررین نے حصہ لیا اور بڑی تعداد میں احباب نے یہ مقابلہ سنا۔ مقابلہ میں علی الترتیب طارق انور صاحب، مبارک احمد صاحب اور نصیر احمد صاحب ثاقب اوّل، دوم اور سوم رہے۔ آخر میں انعامات تقسیم کئے گئے۔

● مجلس خدام الاحمدیہ چک $\frac{184}{7-R}$ ضلع بہاولنگر نے ۱۲ تا ۲۹ فروری ایک تربیتی کلاس کا اہتمام کیا۔ کلاس میں ہر روز بہت مفید تربیتی پروگرام ہوتے رہے۔

● مجلس خدام الاحمدیہ ضلع نواب شاہ سندھ نے اپنے ایک سرگرم کارکن مکرم رانا بشارت الرحمٰن صاحب کے اعزاز میں ایک الوداعی تقریب کا اہتمام کیا۔ آپ مجلس میں بطور معتمد کام کرتے رہے ہیں اور اب بوجہ تبادلہ مجلس ہٰذا سے رخصت ہوئے ہیں۔

● مجلس خدام الاحمدیہ اسلام آباد غربی کے گیارہ خدام نے مسالِ شجر کاری کے موقعہ پر تقریباً ساڑھے تین صد پودے لگائے۔ خدام کے اس جوش و جذبہ اور عمدہ کارکردگی کو سی۔ ڈی۔ اے کے عملہ نے بہت سراہا۔ ۲۵ فروری کو مجلس نے ایک مثالی وقارِ عمل کیا جس کے دوران اسلام آباد کی مسجد اور اس کے ماحول کی صفائی کی گئی۔

● مجلس خدام الاحمدیہ نوشہرہ چھاؤنی کے زیرِ اہتمام مؤرخہ ۲۵، ۲۶ فروری دو روزہ تربیتی کلاس منعقد ہوئی۔ دورانِ کلاس تلاوت، نظم، تقاریر، دینی معلومات وغیرہ کے مقابلہ جات کے علاوہ ورزشی مقابلہ جات کے سلسلہ میں دوڑ، سائیکل ریس اور بیڈمنٹن کے مقابلے بھی ہوئے۔ دوسرے روز نمازِ جمعہ کے بعد یوم والدین بھی منایا گیا جس میں احباب بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔ علاوہ ازیں دونوں روز مختلف احباب مختلف تربیتی موضوعات پر تقاریر کرتے رہے۔ آخری روز علمی و ورزشی مقابلہ جات کے انعامات مکرم بریگیڈیر اعجاز احمد صاحب نے تقسیم فرمائے۔

● مجلس خدام الاحمدیہ کرونڈی ضلع خیرپور نے مؤرخہ ۵ فروری بعد نمازِ جمعہ ایک تربیتی جلسہ کا اہتمام کیا جس میں تربیتی تقاریر کے علاوہ بیت بازی کا مقابلہ بھی ہوا۔ جلسہ کے بعد بہت سے ورزشی مقابلہ جات بھی منعقد ہوئے۔ مجموعی طور پر خدام و اطفال اور انصار کی حاضری نصف صد رہی۔

● مجلس خدام الاحمدیہ ہجکہ نے خدام و اطفال کی ایک دس روزہ تربیتی کلاس منعقد کی۔ کلاس میں مکرم محمد افضل صاحب ظفر مربی سلسلہ تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

● مجلس خدام الاحمدیہ ضلع تھرپارکر حیدر آباد شہر کے زیرِ اہتمام ایک تقریری مقابلہ منعقد ہوا جس میں ضلع تھرپارکر کے دو مقررین

نے حصہ لیا۔ مجلس حیدر آباد شہر کی پہلی سہ ماہی تربیتی کلاس مؤرخہ ۱۱ر فروری کو منعقد ہوئی۔ یہ کلاس خاصی کامیاب رہی۔

ماہِ فروری میں مثالی وقارِ عمل منانے والی مجالس کے نام:۔

مجلس ہائے خدام الاحمدیہ صدر کراچی۔ ڈرگ روڈ کراچی۔ لانڈھی کورنگی کراچی۔ اسلام آباد شہر۔ اسلام آباد غربی حلقہ مسجد نور راولپنڈی۔ گلگشت کالونی ملتان۔ لودھراں ضلع ملتان۔ دنیا پور ضلع ملتان۔ دارالفضل ربوہ۔ شیخوپورہ شہر۔ کوٹ ضلع شیخوپورہ۔ گجھل گوورک ضلع شیخوپورہ۔ چوہڑکانہ ضلع شیخوپورہ۔ سچا سودا ضلع شیخوپورہ۔ کنجروڑ ضلع شیخوپورہ۔ گرمولا چک ۱۶۹ ضلع شیخوپورہ۔ کوٹ ضلع شیخوپورہ۔ ڈیرہ مان سنگھ ضلع شیخوپورہ۔ آنبہ ضلع شیخوپورہ۔ چوڑا سگھر ضلع شیخوپورہ۔ کالیہ ضلع شیخوپورہ۔ ڈیرہ داد پوترے ضلع شیخوپورہ۔ کوٹ احمدیاں ضلع بدین۔ قلعہ کالروالا ضلع سیالکوٹ۔ پسرور ضلع سیالکوٹ۔ ٹنڈو غلام علی ضلع بدین۔ شہر بہاولنگر۔ چک ۱۶۶ مراد ضلع بہاولنگر۔ ہارون آباد ضلع بہاولنگر۔ چک ۳۲۷ ضلع بہاولنگر۔ چک ۱۸۴ ضلع بہاولنگر۔ حلقہ دارالذکر فیصل آباد۔ کوٹلی آزاد کشمیر۔ سانگھڑ شہر۔ کھاریاں ضلع گجرات۔ چک 5/5 E.B ضلع وہاڑی۔ پاکپتن ضلع ساہیوال۔ انور آباد ضلع لاڑکانہ۔ وازہ ضلع لاڑکانہ۔ شہر ڈیرہ غازی خان۔ شہر رحیم یار خان۔ چک ۴۵ ضلع رحیم یار خان۔ بستی قندھار سنگھ ضلع رحیم یار خان۔ لیاقت پور ضلع رحیم یار خان۔ چک ۷۸ ضلع رحیم یار خان۔ کوٹ مومن ضلع سرگودھا۔ بھیرہ ضلع سرگودھا۔ شہر سرگودھا۔ کنری ضلع تھرپارکر۔ محمود آباد فارم ضلع تھرپارکر۔ گوٹھ احمدیہ ضلع تھرپارکر۔ کریم نگر فارم ضلع تھرپارکر۔ مصطفیٰ فارم ضلع تھرپارکر۔ کوٹڑی ضلع تھرپارکر۔ چکوال ضلع جہلم۔ گوٹھ عنایت اللہ ضلع سکھر۔ اوکاڑہ شہر۔ گوٹھ امام بخش ضلع نوابشاہ۔ جمال پور ضلع نوابشاہ۔ رحمٰن آباد ضلع نوابشاہ۔ حلقہ دارالحمد ضلع نوابشاہ۔

(مہتمم وقارِ عمل مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ)

(صرف ٹائیٹل نصرت آرٹ پریس ربوہ میں چھپا)

Monthly KHALID RABWAH
May 1982 Regd No L 5830
Editor KHALID MASOOD